DELHI UNIVERSITY LIBRARY
Cl. No. Q7:419OX724 168N25
Ac. No. E2015
Date of release for loan
This book should be returned on or before the date last stamped below. An overdue charge of 0.6 nP. will be charged for each day the book is kept overtime.

۷۸۶ ہوالکل یامعین

خدائی انکم ٹیکس

احکام مسائل اور مصرف

زکوٰۃ کا بیان

فتنۂ ارتداد کا انسدادی کام کرنے والوں اور تبلیغ اسلام کے رفیقوں کے لئے

رمضان ۱۳۴۳ھ مطابق اپریل ۱۹۲۵ء

میں

چوتھی بار شائع ہوا

از مصور فطرت حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی دہلوی

مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس دہلی

مفت تقسیم

اگرچہ اِس رسالہ کی حسبِ قاعدہ قدیم دس آنے قیمت مقرر ہے لیکن رمضان شریف کے ایام میں معاونین داعیانِ اسلام کے امدادی روپے سے ایک ہزار رسالے مفت تقسیم کیئے جائینگے تاکہ مسلمان مسائل و احکامِ زکوٰۃ سے واقف ہوں اور زکوٰۃ کے فرض سے غافل نہ رہیں۔

نیز اس رسالے کو پڑھکر تبلیغ و حفاظتِ اسلام کے ضروری کام کیلیئے ہر مسلمان زکوٰۃ ادا کرنے لگے +

رمضان شریف کے بعد بھی حسبِ ضرورت اس رسالہ کی مفت تقسیم جاری رہیگی۔ اس لیئے اس کی مقررہ قیمت محض اُن لوگوں کے لیئے ہے جو دس آنے خرچ کرکے ثواب حاصل کرنا چاہیں، جیسے کہ میں نے اور تبلیغی رسائل کی قیمت مقرر کردی ہے۔ ورنہ وہ بھی عموماً سب کے سب مفت تقسیم ہوتے ہیں +

حسن نظامی

۴ر رمضان المبارک ۱۳۴۳ھ

نمبر اول

بسم اللہ الرحمن الرحیم

المحسیم

خدائی انکم ٹیکس

یعنی

زکوٰۃ

اے مسلمانو! اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ ایک کلمۂ توحید کا دل سے یقین کرکے زبان سے پڑہنا۔ دوسرے نماز۔ تیسرے رمضان کے روزے۔ چوتھے زکوٰۃ۔ پانچویں حج۔

مسلمان جہالت اور کم علمی کے سبب اپنے دین کی ان پانچوں بنیادوں کی اصل حقیقت سے بیخبر ہیں اور ضرورت ہے کہ ان کو ایک ایک بنیاد اسلام کا حال الگ الگ رسالوں میں اچھی طرح کھول کھولکر سمجھایا جائے۔

لہٰذا میں نے انتظام کیا ہے کہ پانچ رسالے ان پانچوں باتوں پر لکھکر شائع کروں اور مسلمانوں کو بتاؤں کہ وہ اپنے دین اسلام کی بنیادوں سے کتنے دور ہوگئے ہیں اور اسی وجہ سے انکی حالت تباہ ہوتی جاتی ہے۔

آج پہلا رسالہ زکوٰۃ کے متعلق شائع کیا جاتا ہے اسکو مقدم رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کے مسئلوں میں بہت گڑبڑ جہالت نے ڈال رکھی ہے اسکی اصلاح ہوجائے اور مسلمان خدا کے فرمان کے موجب زکوٰۃ دینے لگیں تو تحصیل علم کے لئے پھر اور کسی چندہ کی ضرورت نہ رہے اور علم پھیل جائے تو باقی ماندہ چاروں شرائط اسلام کی پابندی بھی ہونے لگے کیونکہ اصل جڑ خرابی کی جہالت ہے جہالت دور کردی جائے تو مسلمان ٹھیک ٹھیک کلمہ توحید پڑہنا بھی جان جائیں۔ نماز بھی سیکھ لیں۔ روزہ بھی رکھنے لگیں۔ حج کا شوق بھی ان کو [illegible] اور جہالت کا قلع قمع بغیر خرچ کے نہیں ہوسکتا کیونکہ علم کی اشاعت میں بہت روپے کی ضرورت

ہے اور مسلمانوں کی قوم اسقدر مفلس ہے کہ اشاعت تعلیم کے واسطے پورا خرچ نہیں دے سکتی۔

اس واسطے اول اس مسئلہ کو سمجھایا جاتا ہے جو مال و دولت سے تعلق رکھتا ہے۔ زکوٰۃ جن مالداروں پر فرض ہے اگر وہ سب کے سب فرمانِ خدا کے موافق اس فرض کو ادا کرنے لگیں، اور چندہ کا یہ لازمی ٹیکس ٹھیک اُس جگہ خرچ کریں جہاں کا خدا کے رسولؐ نے حکم دیا ہے تو اتنا روپیہ جمع ہو سکتا ہے جو تمام ہندوستان کی تعلیم کو کافی ہو۔ زکوٰۃ کی آمدنی سے تعلیم عالمگیر ہو سکتی ہے اور جب تعلیم عام ہو جائیگی تو مسلمان نماز۔ روزے۔ حج اور کلمہ توحید کو خود ہی سمجھنے لگینگے۔

لہٰذا میں نے بنیادی مسئلہ زکوٰۃ کو پہلے لکھا۔ اس کے بعد نماز۔ روزے۔ حج اور کلمہ کی بابت رسالے شائع کروں گا ✦

زکوٰۃ سے غفلت

مسلمان نئی روشنی کے ہوں یا پُرانی روشنی کے زکوٰۃ کے حکم کا اصلی حال بہت کم جانتے ہیں انکو خبر نہیں ہے کہ زکوٰۃ کس شخص پر فرض ہے اور کیا کیا مال ایسا ہے جسکی زکوٰۃ دینی چاہیئے اور کتنے مال پر زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے، اس بےخبری کے علاوہ دین کی بےعزتی اور بےوقعتی کا یہ عالم ہے کہ باوجود صاحبِ زکوٰۃ ہونے کے لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے۔ جانتے ہیں کہ اسلامی حکومت تو ہے نہیں جو اُن سے زیادہ مواخذہ کرے اور جبراً خدا کا ٹیکس اُن سے لیلے۔ جی چاہا دی، جی چاہا نہ دی۔

زکوٰۃ دیتے بھی ہیں تو خدا کے فرمان کے خلاف نام و نمود کے کاموں میں یا ایسی جگہ جہاں دینی جائز نہیں [illegible] کہ دینے کے باوجود یہ فرض اُن کے ذمہ سے ادا نہیں ہوتا کیونکہ وہ بےعلمی کے سبب ان لوگوں کو زکوٰۃ دیدیتے ہیں جن کا دینا جائز نہیں ہے۔

یہ بھی نقص ہے کہ زکوٰۃ کے اگر دس۔ روپے ذمہ آتے ہوں تو پانچ دیتے ہیں اور فخر کرتے ہیں کہ ہم نے خدا کا حکم ادا کر دیا۔ اسکی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ مسئلہ معلوم نہیں ہوتا، اور دوسری یہ کہ زیادہ خرچ کرنے سے اُن کا جی دُکھتا ہے ✦

اس واسطے میں نے یہ رسالہ اس طرح لکھا ہے کہ پہلے زکوٰۃ نہ دینے کا عذاب بیان کیا۔ پھر جن جن چیزوں پر اور جس جس مقدار پر زکوٰۃ فرض ہے اُس کو خوب کھول کھول کر لکھا، اور پھر زکوٰۃ کے اصلی مقصد کی تفصیل پر بحث کی یعنی اس کے مصرف کو بیان کیا۔ مصرف ہی کی خرابی سے مسلمانوں کی زکوٰۃ ٹھیک ٹھکانے نہیں لگتی اور مسلمانوں کو اس سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا +

جن بھائی مسلمانوں کے دلمیں خدا اور اُسکے دینِ اسلام کی محبت ہے وہ اس فرمانِ خدا یعنی مسئلۂ زکوٰۃ کی کتاب کو خرید کر ایسے لوگوں میں تقسیم کریں جو صاحبِ زکوٰۃ ہیں، مگر یا تو زکوٰۃ دیتے نہیں، یا ٹھیک قاعدہ نہیں جانتے، اور غلط دیتے ہیں۔ یہ سب سے بڑے ثواب کا کام ہے، اور دین کی سب سے بڑی مدد ہے۔

اے اسلامی حرارت رکھنے والے بہادرو۔ اے خدا کے ہاتھ بکے ہوئے خدا کا دوست وہ لوگو جو جان و مال کی خدا کے رستے میں پروا نہیں کیا کرتے اور قرآن شریف کے ہر حکم کے سامنے سر رکھ دیتے ہو، لبیک کہو کہ میں اُس دین کا نقارہ بجاتا ہوں جو حجاز کے پہاڑوں میں چمک کر بلند ہوا جسکو ہم سب کے آقائے نامدار دونوں جہان کے سردار حضرت محمد مصطفےٰ لیکر تشریف لائے۔ کون محمد مصطفےٰ؟ وہ جنہوں نے اس دین کی خاطر سات سات دن کے فاقے کیئے اور پیٹ پر پتھر باندھکر اسلام کی تبلیغ کو پورا کیا۔ وہ جنہوں نے جَو کا آٹا کھایا۔ مٹی اور پیوند لگے ہوئے کمبل پہنا اور دُنیا کی کبھی راحت سے جی نہ لگایا۔ وہ جو قیامت کے میدان میں تمہاری شفاعت کرینگے۔ وہ جو آخر وقت تک اُمتی اُمتی فرماتے ہوئے خدا کے ہاں سدھارے۔

اُٹھو۔ اُٹھو۔ یہ دین تم سے اپنا حق مانگتا ہے، وہ حق کچھ بڑا نہیں ہے ایسا نہیں ہے جس کو تم ادا نہ کر سکو، تم تو ایسی ہمت والے ہو کہ دین کے نام پر سر کٹوایا کرتے تھے، آج سر کٹانے کی پکار نہیں ہے فقط جیب کے چند پیسے دینے کا بُلاوا ہے۔

تم میں سے ہر شخص کا فرض ہے کہ اس کتاب کی چند کاپیاں خریدے اور مسلمانوں میں مُفت تقسیم کرے تاکہ نادان اور غافل مسلمان فرمانِ خدا سے خبردار ہو جائیں اور ان میں زکوٰۃ کا ضروری

مسئلہ اچھی طرح معلوم ہوجائے۔

میرا فرض یہ تھا کہ اپنی محنت اس میں صرف کروں اور سب کام چھوڑ کر خدا کا یہ ضروری حکم لکھا کر تم کو دوں، اب اس کے آگے تمہارا فرض ہے کہ اس کو گھر بہ گھر تقسیم کرو۔ اور خدا کی پکار ہر مسلمان کے کان تک پہنچاؤ۔

زکوٰۃ کے روپے سے بھی تم اس رسالہ کو خرید کر تقسیم کرسکتے ہو کیونکہ قرآن شریف سے صاف ثابت ہے کہ زکوٰۃ ان لوگوں میں بھی خرچ کرنی چاہیئے جو اسکا یعنی زکوٰۃ کی وصولی کا کام کرتے ہوں۔ سورۂ توبہ میں صاف آیت موجود ہے کہ :-

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا

(یعنی) زکوٰۃ فقیروں مسکینوں اور اس کی وصولی کے نوکر چاکروں پر خرچ کرنی چاہیئے

آگے چلکر اس آیت میں اور جو مصرف بیان ہوئے ہیں اُن کا حال اسی کتاب میں مفصل لکھا گیا ہے +

پس یہ کتاب بھی زکوٰۃ کی عامل ہے، ایک نوکر ہے جسکی کوشش سے مسلمان زکوٰۃ دینے لگیں گے اور ان کو مسائل زکوٰۃ سے آگاہی ہوجائے گی +

میں نے یہ کتاب دین کی تمام معتبر کتابوں سے چھانٹ کر لکھی ہے۔ قرآن شریف حدیث شریف فقہ اور بزرگان دین کے اقوال سے اسکو مرتب کیا ہے اور کوئی بات غیر معتبر اور غیر مستند نہیں لکھی گئی۔

خود بھی اس کو غور سے پڑھو، اپنے بچوں اور عورتوں کو بھی پڑھاؤ۔ اور پھر محلہ والوں کو۔ دوستوں کو، جو دور رہوں یا پاس تقسیم کردو۔ تاکہ وہ بھی خدا کے فرمان کو جان جائیں اور زکوٰۃ پر عمل کرکے سچے مسلمان بنیں +

فلسفۂ زکوٰۃ

اگرچہ حکومت کے انکم ٹیکس میں یہ فرق ہے کہ خدائے تعالٰے نے زکوٰۃ اُن پر فرض کرتا ہے جن کے پاس سال بھر قابل زکوٰۃ مال موجود رہے اور حکومت دُنیا اسکی پروا نہیں کرتی بلکہ وہ آمدنی پر ٹیکس لگاتی ہے اور خرچ کو نہیں دیکھتی کہ آمدنی والیکے پاس کچھ بچا بھی یا سب خرچ ہوگیا ہے گویا خدا کا ٹیکس (زکوٰۃ) ایک رحمت کیساتھ ہے کہ قابلِ زکوٰۃ مال سال بھر تک موجود رہے تب زکوٰۃ فرض ہوگی اور حکومت کا ٹیکس اس رحمت و مروت سے قطعی محروم ہے اسواسطے میں زکوٰۃ کو حکومت کے لفظ انکم ٹیکس سے مشابہت اسلیئے نہیں دیتا کہ زکوٰۃ اور انکم ٹیکس مقصد میں ایک ہے بلکہ یہ محض ایک لفظی مشابہت ہے زکوٰۃ کا مطلب سمجھانے کو۔ یہ بھی یاد رہے کہ زکوٰۃ ویسا ہی انکم ٹیکس مسلمانوں پر ہے جیسا جزیہ غیر مسلموں سے مسلمان حکومت لیتی تھی۔ مسلمان جزیہ سے بری تھے تو غیر مسلم زکوٰۃ سے آزاد تھے

ہر سلطنت اپنی رعایا سے کچھ ٹیکس لیا کرتی ہے' جسے وہ خود اُسی رعایا پر خرچ بھی کر دیتی ہے، ہماری انگریزی حکومت انکم ٹیکس لیتی ہے۔ ہوس ٹیکس وصول کرتی ہے اور طرح طرح کے ٹیکس لگا رکھے ہیں' جو عقلمند آدمی ہیں' وہ یہ ٹیکس خوشی خوشی ادا کرتے ہیں کیونکہ جانتے ہیں کہ یہ ٹیکس ہمارے ہی فائدے کیواسطے لیا جاتا ہے۔ سڑکیں بنائی جاتی ہیں۔ شہروں میں صفائی ہوتی ہے روشنی کا انتظام کیا جاتا ہے۔ شفاخانے کھلتے ہیں' اور اس سے ان ٹیکس دینے والوں کو بھی فائدہ ہوتا ہے اور غریبوں کو بھی۔ جنکے پاس اچھی روشنی۔ صفائی اور اچھے علاج و دوائی کے لیئے ایک کوڑی نہیں ہوتی' سرکار امیروں سے ٹیکس لیتی ہے اور امیر و غریب پر یکساں خرچ کر دیتی ہے اگر سرکار خود جبر کرکے حکومت کے زور سے ٹیکس نہ لے اور رعایا کی بہتری میں خرچ نہ کرے تو سوسائیٹی کی حالت ایسی ہے کہ کوئی شخص جیب سے پیسہ نہ نکالے اور بیچارے غریب آدمی نہ شفاخانوں سے فائدہ اُٹھا سکیں' نہ اسکولوں سے۔

یہ تو دُنیا کی حکومت کا ذکر ہوا اب خدا کی سلطنت یعنی مذہب اور دینِ اسلام کا حال سنو۔ اس نے

بھی صدقات اور زکوٰۃ کے ٹیکس لگتے ہیں۔ مسلمانوں پر جو ٹیکس لگے اُن کا نام صدقات و زکوٰۃ ہے۔ غیر مسلموں پر صرف ایک ٹیکس لگایا گیا جس کو جزیہ کہتے ہیں اور جس سے ہندو بہت چڑا کرتے ہیں حالانکہ مسلمانوں سے جس قدر زیادہ ٹیکس اسلامی حکومت لیتی ہے اُسکے مقابلہ میں جزیہ کا ٹیکس کچھ بھی نہیں۔ جزیہ کی آمدنی بھی غیر مسلم رعایا کی حفاظت و آسائش میں خرچ کر دی جاتی تھی اور زکوٰۃ مسلمانوں کے اُن کاموں میں جنکا ذکر آگے آئیگا۔ گویا زکوٰۃ کا ٹیکس سوسائٹی کی مساوات قائم رکھنے اور مسلمانوں کی برادرانہ جماعت کو باہمی فائدہ رسانی کا عمل سکھانیکا ایک بہت ہی اچھا ذریعہ ہے۔

زکوٰۃ اسلام کا ایسا اچھا انتظامی اصول ہے کہ اگر وہ پوری طرح وصول ہو کر ان تمام مصرفوں پر خرچ ہو جن کا خدا نے حکم دیا ہے تو مسلمانوں کی قوم میں کوئی غریب باقی نہ رہے یا غریب ہونے نہ پائے۔

اِسلامی حکومت
قیامت تک قائم ہے

اسلامی سلطنت تاج و تخت اور مقررہ اشخاص کی بادشاہی کے ماتحت نہیں ہے بلکہ وہ قرآن و حدیث کی حکومت ہے۔ زمین پر کوئی آدمی تخت پر بیٹھے یا اُترے۔ تاج اُوڑھے یا اُتارے۔ اسلامی بادشاہت میں فرق نہیں پڑتا قرآن و حدیث کی حکمرانی ہمیشہ برقرار رہتی ہے۔ اور دنیا کے خاتمہ تک برقرار رہیگی۔ اور وہ حکومت یہ ہے کہ جو احکام قرآن نے دئے ہیں اور جن باتوں سے منع کیا ہے مسلمان بادشاہ انہی کی تعمیل کرتے تھے اور اسی قانون الہی کے تابعدار تھے۔ اب اگر کسی ملک میں اسلامی حکومت نہ ہو تو بھی اسلامی سلطنت قرآن و حدیث کے ہاتھ میں ہے۔ اور قرآن و حدیث کا حکم برابر قائم ہے جس طرح اسلامی بادشاہت کے مٹ جانے سے قرآن کی بادشاہت کا یہ حکم

بدل نہیں سکتا کہ نماز پڑھو روزہ رکھو۔ حج کرو۔ شراب نہ پیو۔ جوا نہ کھیلو۔ حرام کاری نہ کرو۔ اسی طرح قرآنی حکومت کے ٹیکس زکوٰۃ وصدقات بھی انسانی حکومتوں کی تبدیلی سے ضائع نہیں ہو سکتے اور مسلمانوں پر قائم رہتے ہیں۔

ہم مسلمانوں کو چاہیئے کہ قرآن کی حکمرانی کے آگے ہر وقت سر جھکائے رکھیں اور اسکے سب حکم مانتے رہیں۔

پس زکوٰۃ کا ادا کرنا عقلاً خود ہماری ذات اور ہماری قوم کے غریب افراد کی دینی بہتری اور دنیاوی بھلائی کے لیئے بہت ضروری ہے، اگر ہم میں آجکل کوئی مذہبی حاکم نہیں ہے جو زکوٰۃ وصول کرے تو قرآن وحدیث جس طرح حکم دیں ہمکو اسپر عمل کرنا چاہیئے اور خدا کا ٹیکس ادا کرنے میں ہرگز کوتاہی نہ کرنی چاہیئے۔ کہ یہ خدائی انکم ٹیکس معاف نہیں ہو سکتا۔

زکوٰۃ نہ دینے کا عذاب

قرآن شریف میں جگہ جگہ زکوٰۃ دینے کی تاکید آئی ہے۔ جہاں نماز پڑھنے کا اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ کہکر حکم دیا گیا ہے وہیں اٰتُوا الزَّکٰوۃَ بھی موجود ہے۔ جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اُن کی نسبت قرآن نے یہ فرمایا ہے:-

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ

(جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اُس کو خدا کے راستے (زکوٰۃ وصدقات میں) خرچ نہیں کرتے اُن کو ہولناک عذاب کی بشارت دیدو)۔

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ زکوٰۃ نہ دینے والوں کے قیامت کے دن پیٹھ پر داغ لگائے جائینگے اور وہ ایسے سخت ہونگے کہ اُنکے زخم سینہ کے پار ہو جائینگے۔ اور گدی میں بھی داغ دیئے جائینگے جو پیشانی پر پھوٹ نکلینگے۔

اور ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ چھاتی پر داغا جائے گا تو پیٹھ میں نکل جائے گا۔

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ سب سے زیادہ نقصان میں وہ لوگ ہیں جو مال کی زکوٰۃ نہیں دیتے اور فرمایا کہ جو لوگ اونٹوں بکریوں وغیرہ جانوروں کی زکوٰۃ نہیں دیتے قیامت میں اُن جانوروں کو خوب موٹا کیا جائیگا اور پھر وہ جانور زکوٰۃ نہ دینے والوں کو سینگوں اور کھروں سے ماریںگے اور کچلینگے اور برابر یہ عذاب ہوتا رہے گا یہانتک کہ خدا کا فیصلہ صادر ہو اور یہ لوگ دوزخ میں ڈالے جائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جسکو اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور اُسنے اُسکی زکوٰۃ ادا نہکی تو قیامت کے دن اُس کا مال بڑا زہریلا گنجا سانپ بنایا جائیگا اور یہ سانپ زکوٰۃ نہ دینے والے کی گردن میں لپٹ جائیگا۔ کاٹے گا۔ جبڑوں کو نوچے گا۔ اور کہے گا میں تیرا مال ہوں۔ میں تیرا خزانہ ہوں جس کی تو نے زکوٰۃ نہ دی

جس مال کی زکوٰۃ نہ دیجائے وہ ہمیشہ خطرہ میں رہتا ہے۔ اور ناگہانی بلائیں اُس کو تاکتی رہتی ہیں۔ ایک نہ ایک دن ایسی بلا آتی ہے کہ وہ سارا مال تباہ ہوجاتا ہے ✤

گلے میں سونے کا طوق

ایک شخص بہت دولتمند تھا اور زکوٰۃ نہ دیتا تھا جب وہ مرا اور دفن ہوگیا تو رات کو کفن چور نے قبر کھودی تو کیا دیکھتا ہے کہ لاش کے گلے میں سونے کا طوق پڑا ہوا ہے کفن چور نے اُس طوق کو لینا چاہا۔ مگر اس قدر گرم تھا کہ چور کا ہاتھ جل گیا۔ اور وہ فوراً وہاں سے بھاگا چور کے ہاتھ میں ایسا آبلہ پڑا تھا کہ مرتے دم تک اچھا نہ ہوا۔ اور ہر وقت اُس کی تکلیف سے چیخیں مارا کرتا تھا۔

خدا کی آگ

ایک سوداگر کا بڑا اچھا کاروبار تھا۔ مگر وہ زکوٰۃ نہ دیتا تھا۔ آس پاس کے مسلمان جب کبھی زکوٰۃ دیتے تو یہ ہنستا اور کہتا کہ تم کیسے بیوقوف ہو۔ خواہ مخواہ روپیہ برباد کرتے ہو مسلمان کہتے کہ جو شخص زکوٰۃ نہیں دیتا اسکے بیوپار میں گھاٹا آجاتا ہے۔ یا مال چوری جاتے ہیں۔ یا اسکے ہاں آگ لگجاتی ہے۔ یا اور کوئی آسمانی بلا آتی ہے۔

تو وہ جواب دیتا۔ میرے ہاں تو رات دن ترقی ہے۔ کچھ بھی نقصان نہیں ہے۔ نہ کوئی بلا آتی ہے

انہوں کو مولویوں نے احمق بنا رکھا ہے۔

مسلمان اسکو سمجھاتے اور کہتے گھمنڈ نہ کر۔ خدا اپنے منکروں کو ڈھیل دیا کرتا ہے اور ایکا ایکی ناگہانی عذاب بھیجتا ہے، تو یہ نہ سمجھ کہ خدا تجھ کو چھوڑ دے گا۔

ایک دن رات کو بازار میں آگ لگی، اور اُس زکوٰۃ نہ دینے والے کا تمام مال اسباب جلکر خاک ہوگیا مگر اُس پاس کی سب دوکانیں محفوظ رہیں' اُسوقت اُن مسلمانوں نے کہا دیکھ ہم زکوٰۃ دیتے تھے تو خدا نے ہم کو آگ کے عذاب سے بچالیا اور تیرا سب کچھ برباد کر دیا۔

چور مال واپس کر گئے

ایک شخص ہر سال اپنے مال کی زکوٰۃ دیا کرتا تھا۔ اُس قصبہ میں ڈاکہ پڑا اور بہت سی آدمی لٹ گئے۔ اُن میں یہ شخص بھی لٹا جو زکوٰۃ دیا کرتا تھا۔ اُسنے خدا سے دعا کی کہ میرا مال تو پاک تھا اور میں تو اُس کی زکوٰۃ دیا کرتا تھا۔ الٰہی میرا مال کس جرم میں لٹوا دیا۔

دوسرے دن چور اُس شخص کے پاس چپکے سے آئے، اور اُسکا سارا اسباب دے گئے، اور کہا کہ جب ہم یہ مال لیکر گئے تو رات کو ہم سب چوروں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی بزرگ کہتے ہیں کہ جاؤ یہ سب مال اُسکا واپس دے آؤ، ورنہ تم سب تباہ ہو جاؤ گے۔ کیونکہ یہ مال پاک ہے اور اسکی زکوٰۃ ہمیشہ ادا ہوا کرتی ہے۔

باقی اور جس قدر آدمی لٹے ہیں وہ زکوٰۃ نہیں دیتے تھے خدا نے تمہارے ہاتھ سے انکو تباہ کرا دیا

اس قسم کی سینکڑوں سچی حکایتیں ہیں جنسے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ دینے والا ہر بلا سے محفوظ رہتا ہے، اُس کے کاروبار میں ترقی ہوتی ہے، خدا اُس کو نیک اولاد دیتا ہے اور وہ دُنیا اور دین میں خدا کی نعمتیں حاصل کرتا ہے۔

اور جو لوگ زکوٰۃ نہیں دیتے وہ یا تو اپنے سامنے ہی اپنی تباہی دیکھ لیتے ہیں یا ایسا ہوتا ہے کہ قدرت انکو ڈھیل دیتی ہے اور اُن کی اولاد دنیا میں یہ ساری دولت اُڑا ڈالتی ہے۔

زکوٰۃ کن چیزوں پر فرض ہے؟

چاندی سونے اور تجارتی اسباب بھیڑ بکری، گائے، اونٹ پر زکوٰۃ فرض ہے جنکی تفصیل یہ ہے اگر چاندی ساڑھے باون (۵۲½) تولہ ہو یعنی ۵۴ روپے ۱۳ آنے ۴ پائی کی مالیت چاندی جمع ہو اور پورے ایک سال جمع رہے تو اسپر زکوٰۃ فرض ہے چالیسواں حصہ اُس رقم میں زکوٰۃ دینی چاہیئے۔ اور سونا ساڑھے سات (۷½) تولے ہو اور اُسپر ایک سال گزر جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی اور اس سے کم ہو تو زکوٰۃ فرض نہیں، ہاں اس سے زیادہ ہو تو حساب کے موافق زکوٰۃ بھی بڑھتی چلی جائیگی۔

اب میں اچھی طرح سمجھانے کو الگ الگ مثالیں دیکر زکوٰۃ کے مسائل لکھتا ہوں:۔

(۱) مثلاً ایک آدمی کے پاس محرم کے مہینے میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا تھا اور رجب تک رہا مگر شعبان اور رمضان میں یہ رقم آدھی رہ گئی یعنی اسمیں سے خرچ ہو گئی، پھر شوال اور ذیقعدہ میں خدا نے اُس کو اتنا دے دیا کہ چاندی سونا محرم کی مقدار سے برابر یا زیادہ ہو گیا اور اسی پر سال پورا ہوا یعنی دوسرا محرم آگیا تو زکوٰۃ دینی لازم ہوگی درمیان میں جو کمی ہوگئی تھی اُسکا اعتبار نہوگا۔

(۲) اگر سونے چاندی کی مقررہ رقم شروع سال میں ہو اور درمیان میں سب خرچ ہو جائے یا ساڑھے باون تولہ چاندی اور ساڑھے سات تولے سونے سے کم ہو جائے اور ختم سال تک پوری نہو کم ہی رہے تو زکوٰۃ واجب نہوگی۔

(۳) کسی کے پاس زکوٰۃ دینے کے قابل رقم موجود ہے اور اُسپر ایک برس بھی گزر جائے مگر وہ شخص مقروض ہو اور اُتنا ہی قرضہ ہو جتنی رقم اُسکے پاس ہے تو زکوٰۃ واجب نہوگی۔ اگر قرضہ مثلاً ڈیڑھ سو کا ہے اور رقم اُسکے پاس دو سو کی موجود ہے تب بھی زکوٰۃ واجب نہوگی کیونکہ پچاس باقی بچتے ہیں اور پچاس پر زکوٰۃ نہیں ہے ہاں اگر دو سو روپے اُسکے پاس ہوں اور قرضہ صرف ایک سو کا دینا ہو تو سو روپے کی زکوٰۃ دینی پڑیگی۔

(۴) سونے چاندی کے زیور، برتن اور گوٹا کناری کے کپڑوں پر بھی زکوٰۃ ہے اسی حساب سے یعنی چاندی ۵۲½ تولہ ہو اور سونا ۷½ تولہ ہو۔ زیور۔ کپڑے۔ برتن چاہے کام میں آتے ہوں، چاہے یونہی رکھے ہوں، زکوٰۃ ضرور ہی دینی پڑے گی۔

(۵) اگر کسی کے پاس ۷½ تولہ سونے اور ۵۲½ تولے چاندی سے کم مقدار ہو تو دونوں کی قیمت ملاکر دیکھنی چاہیئے، اگر دونوں ملکر ساڑھے باون تولے چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونے کی برابر ہوجائیں تو زکوٰۃ دینی لازم ہوگی۔

(۶) لوہے، پیتل، رانگ، گلٹ وغیرہ جسقدر دھاتیں سونا، چاندی کے علاوہ ہیں اُن پر یا اُنکی بنی ہوئی چیزوں پر اگر وہ سوداگری کے لیئے نہوں زکوٰۃ نہیں ہے۔

(۷) کرایہ کے مکانوں، برتنوں، کپڑوں، گاڑیوں اور ہر قسم کے مال پر جو کرایہ پر دیا جاتا ہو زکوٰۃ نہیں ہے۔

(۸) سوداگری کے تمام اسباب پر جو فروخت کیا جاتا ہو زکوٰۃ واجب ہے۔

تفصیلی مسائل

اس کے بعد ذرا اور تفصیل کے ساتھ مسائل زکوٰۃ کو بیان کیا جاتا ہے تاکہ اچھی طرح ہر بات سمجھ میں آجائے، کیونکہ زکوٰۃ کی ایک ایک بات نہایت غور سے سمجھنے کی لائق ہے۔

مسئلہ:- جس کے پاس ۵۲½ تولہ چاندی یا ۷½ تولہ سونا ہو، اور ایک سال تک باقی رہے تو اُس پر زکوٰۃ واجب ہے اور اگر اس سے زیادہ ہو تو بھی زکوٰۃ واجب ہے۔

مسئلہ:- کسی کے پاس ۸ تولہ سونا ۴ مہینے یا ۹ مہینہ تک تھا پھر وہ کم ہوگیا اور دو تین مہینے کے بعد پھر مال مل گیا تب بھی زکوٰۃ دینی واجب ہے۔ غرضکہ جب سال کے اوّل و آخر میں مالدار ہوجائے اور سال کے بیچ میں کچھ اس مقدار سے کم رہجائے تو بھی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ بیچ میں تھوڑے دن کم ہوجانے سے زکوٰۃ معاف نہیں ہوتی۔ البتہ اگر سب مال جاتا رہے، اُس کے بعد پھر مال ملے تو جب سے پھر ملا ہے تب سے مال کا حساب کیا جائے گا۔

مسئلہ:- کسی کے پاس آٹھ نو تولے سونا تھا، اُسکے اوپر سال گذرنے سے پہلے وہ جاتا رہا، پورا سال گذرنے نہیں پایا تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

مسئلہ:- کسی کے پاس دو سو روپے ہیں اور اتنے ہی روپے کا وہ قرضدار بھی ہے

تو اُس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، چاہے سال بھر تک ہے یا نہ رہے، اور اگر ڈیڑھ سو روپیہ کا قرضدار ہے تو بھی زکوٰۃ واجب نہیں، کیونکہ ڈیڑھ سو روپے تو قرض میں چلے گئے، فقط پچاس روپے باقی رہ گئے اور پچاس روپے میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

مسئلہ اگر دو سو روپے پاس ہے، اور ایک سو روپے کا قرضدار ہے، تو ایک سو روپے کی زکوٰۃ واجب ہے۔

مسئلہ سونے چاندی کے برتن زیور اور سچا گوٹا، ٹھپہ سب پر زکوٰۃ واجب ہے چاہے وہ زیور اور گوٹا ٹھپہ استعمال میں آتا ہو، یا بند رکھا رہتا ہو۔ ہر حال میں زکوٰۃ واجب ہوگی +

مسئلہ سونا یا چاندی اگر کھرا نہ ہو بلکہ اُس میں کچھ میل ہو مثلاً چاندی میں رانگ ملا ہوا ہے، تو دیکھو چاندی زیادہ ہے یا رانگ؟ اگر چاندی زیادہ ہے تو اسکا وہی حکم ہے جو چاندی کا حکم ہے۔ یعنی اگر اتنی مقدار ہو جو اوپر بیان ہوئی تو زکوٰۃ واجب ہے اور اگر رانگ زیادہ ہے تو اُس کو چاندی نہ سمجھینگے بلکہ رانگ سمجھینگے پس جو حکم پیتل تانبے لوہے، رانگ وغیرہ اسباب کا آگے آئے گا وہی اُسکا بھی حکم ہے۔

مسئلہ: کسی کے پاس نہ تو پوری مقدار سونے کی ہے، نہ پوری مقدار چاندی کی، بلکہ تھوڑا سونا ہے، اور تھوڑی چاندی۔ اگر دونوں کی قیمت ملا کر ساڑھے باون تولہ چاندی کی برابر ہو جائے یا ساڑھے سات تولہ سونے کی برابر ہو تو زکوٰۃ واجب ہے۔ اور اگر دونوں چیزیں اتنی تھوڑی ہیں کہ دونوں کی مجموعی قیمت نہ اُتنی چاندی کی برابر ہے نہ اُتنے سونے کے برابر تو زکوٰۃ واجب نہیں اور اگر سونے اور چاندی دونوں کی پوری مقدار ہے تو قیمت لگانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

مسئلہ:۔ فرض کرو کہ کسی زمانہ میں پچیس روپے کا ایک تولہ سونا ملتا ہے اور ایک روپے کی ڈیڑھ تولہ چاندی ملتی ہے، اور کسی کے پاس ۲ تولہ سونا اور پانچ روپے

ضرورت سے زائد ہیں اور سال بھر تک وہ رہ گئے تو اُسپر زکوٰۃ واجب ہے، کیونکہ ۲ تولہ
پچاس روپے کا ہوا، اور پچاس روپے کی چاندی پون سو تولے ہوئی تو ۲ تولہ سونے
کی چاندی پون سو (۷۵) تولہ ملے گی اور پانچ روپے تمہارے پاس ہیں اس حساب سے
اُتنی مقدار سے بہت زیادہ مال ہو گیا جتنے پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ البتہ اگر فقط
دو تولہ سونا ہو اُسکے ساتھ روپیہ اور چاندی کچھ نہ ہو تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

مسئلہ:۔ ایک روپیہ کی چاندی ڈیڑھ تولہ ملتی ہے، اور کسی کے پاس
فقط تیس روپے ہیں تو اُسپر زکوٰۃ واجب نہیں۔ اور یہ حساب نہ لگایا جائیگا کہ تیس کی چاندی
ساٹھ تولہ ہوئی کیونکہ روپیہ تو چاندی کا ہوتا ہے اور جب فقط چاندی یا فقط سونا پاس
ہو تو وزن کا اعتبار ہے۔ قیمت کا اعتبار نہیں۔

مسئلہ:۔ کسی کے پاس سو روپے ضرورت سے زائد رکھے تھے، پھر سال پورا
ہونے سے پہلے پہلے پچاس روپے اور مل گئے تو ان پچاس روپے کا حساب الگ نہ کرینگے
بلکہ اسی سو روپے کے ساتھ اسکو ملا دینگے۔ اور جب ان سو روپے کا سال پورا ہوگا تو پورے
ڈیڑھ سو کی زکوٰۃ واجب ہوگی اور ایسا سمجھینگے کہ پورے ڈیڑھ سو پر برس گزر گیا۔

مسئلہ:۔ کسی کے پاس سو تولہ چاندی رکھی تھی، پھر سال گزرنے سے پہلے
دو چار تولہ سونا آ گیا یا نو دس تولہ سونا مل گیا تب بھی اُسکا حساب جدا نہ کیا جائے گا،
بلکہ اُس چاندی کے ساتھ ملا کر زکوٰۃ کا حساب ہوگا پس جب اس چاندی کا سال پورا ہو چکا
تو اس سب مال کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

مسئلہ:۔ سونے چاندی کے سوا اور جتنی چیزیں ہیں جیسے لوہا، تانبا
پیتل، گلٹ، رانگ وغیرہ اور ان چیزوں کے بنے ہوئے برتن وغیرہ اور کپڑے جوتے وغیرہ
اور اسکے سوا جو کچھ اسباب ہو اُسکا حکم یہ ہے کہ اگر یہ سامان سوداگری کا ہے تو دیکھو کہ وہ
اسباب کتنا ہے۔ اگر اتنا ہے کہ اُس کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات

تولہ سونے کے برابر ہے تو جب سال گزر جائے تو اس سوداگری کے اسباب میں زکوٰۃ واجب ہے اور اگر اتنا نہو تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اور اگر وہ مال سوداگری کے لئے نہیں ہے تو اسمیں زکوٰۃ واجب نہیں ہے چاہے جتنا مال ہو، اور اگر ہزاروں روپے کا مال ہو تب بھی زکوٰۃ واجب نہیں۔

مسئلہ:۔ گھر کا اسباب جیسے پتیلی۔ دیگچی۔ بڑی دیگ سینی لگن اور کھانے پینے کے برتن اور رہنے سہنے کا مکان اور پہننے کے کپڑے۔ سچے موتیوں کا ہار وغیرہ ان چیزوں میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ چاہے جتنا ہو اور چاہے روزمرہ کے کام میں آتا ہو یا نہ آتا ہو، کسی طرح زکوٰۃ واجب نہیں، ہاں اگر یہ سوداگری کا اسباب ہو تو زکوٰۃ واجب ہے۔ خلاصہ یہ کہ سونے چاندی کے سوا اور جتنا مال اسباب ہو اگر وہ سوداگری کا اسباب ہے تو زکوٰۃ واجب ہے۔ نہیں تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

مسئلہ:۔ کسی کے پاس دس پانچ گھر ہیں اور وہ کرایہ پر چلائے جاتے ہیں تو ان مکانوں پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں، چاہے جتنی قیمت کے ہوں۔ ایسے ہی اگر کسی نے دس پندرہ روپے کے برتن خرید لیئے اور انکو کرایہ پر چلانا شروع کر دیا تو اسپر بھی زکوٰۃ واجب نہیں۔ غرضکہ کرایہ پر چلانے سے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

مسئلہ:۔ پہننے کے جوڑے چاہے جتنے زیادہ قیمتی ہوں انمیں زکوٰۃ واجب نہیں، لیکن اگر ان میں سچا کام ہے اور اتنا کام ہے کہ چاندی ۵۲ ½ تولہ یا اس سے زیادہ نکلے گی تو اس چاندی پر زکوٰۃ واجب ہے۔

مسئلہ:۔ کسی کے پاس کچھ سونا یا چاندی ہے اور کچھ سوداگری کا مال ہے تو سب کو ملا کر دیکھو اس کی قیمت ۵۲ ½ تولہ چاندی یا ۷ ½ تولہ سونے کے برابر ہو جائے تو زکوٰۃ واجب ہے اور اگر اتنا نہ ہو تو واجب نہیں۔

مسئلہ:۔ سوداگری کا مال وہ کہلائیگا جو اسی ارادہ سے مول لیا ہو تو اگر کسی

سوداگری کرینگے۔ تو اگر کسی نے اپنے گھر کے خرچ کیلئے چاول مول لیئے پھر ارادہ ہوگیا کہ لاؤ اس کی سوداگری کرلیں تو یہ مال سوداگری کا نہیں ہے اور اسپر زکوٰۃ واجب نہیں۔

مسئلہ اگر کسی پر تمہارا قرض آتا ہے تو اس قرض پر زکوٰۃ واجب ہے لیکن قرض کی تین قسمیں ہیں، ایک یہ کہ نقد روپیہ یا سونا چاندی کسی کو قرض دیا یا سوداگری کا اسباب بیچا۔ اس کی قیمت باقی ہے اور ایک سال کے بعد یا دو تین برس کے بعد وصول ہوا، تو اگر اتنی مقدار ہو جتنی پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تو ان سب برسوں کی زکوٰۃ دینی واجب ہے اور اگر یکمشت نہ وصول ہو تو جب اُس میں سے گیارہ روپے ملیں تب اتنے کی زکوٰۃ واجب ہے اور اگر اس سے کم ملیں تو واجب نہیں، پھر جب گیارہ روپے اور ملیں تو اُسکی زکوٰۃ دینی چاہیئے۔ اسی طرح زکوٰۃ دیتا رہے اور جب زکوٰۃ دے سب برسوں کی دے۔ اور اگر قرضہ اس سے کم ہو تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ البتہ اگر اسکے پاس کچھ اور مال بھی ہو اور دونوں کو ملا کر مقدار پوری ہو جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔

مسئلہ:۔ اور اگر نقد نہیں دیا نہ سوداگری کا مال بیچا ہے، بلکہ کوئی اور چیز بیچی تھی جو سوداگری کی نہ تھی، جیسے پہننے کے کپڑے بیچ ڈالے یا گرہستی کا اسباب بیچ دیا اسکی قیمت باقی ہے اور اتنی ہے جتنی میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے پھر وہ قیمت کئی برس کے بعد وصول ہوئی تو سب برسوں کی زکوٰۃ واجب ہے اور اگر سب ایک دفعہ کرکے نہ وصول ہو بلکہ تھوڑا تھوڑا کرکے ملے تو جب تک چوّن روپے بارہ آنے وصول نہوں تب تک زکوٰۃ واجب نہیں ہے جب چوّن روپے بارہ آنے ملجائیں تو سب برسوں کی زکوٰۃ دینی واجب ہے۔

مسئلہ:۔ تیسری قسم یہ ہے کہ شوہر کے ذمہ مہر ہے وہ کئی برسوں کے بعد ملا تو اسکی زکوٰۃ کا حساب ملنے کے دن سے ہے۔ پچھلے برسوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے، بلکہ اگر اب اُسکے پاس رکھا ہے اور اسپر سال گزرجائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی نہیں تو واجب نہیں۔

اگرچہ وہ اپنے دل میں یہی سمجھے کہ مجھے قرض دیا ہے۔

مسئلہ:۔ اگر کسی کو انعام کے نام سے کچھ دیا، مگر دل میں یہی نیت ہے کہ میں زکوٰۃ دیتا ہوں تب بھی زکوٰۃ ادا ہوگئی +

مسئلہ:۔ کسی غریب آدمی پر تمہارے دس روپے قرض ہیں، اور تمہارے مال کی زکوٰۃ بھی دس روپے یا اس سے زیادہ ہے، اُس کو اپنا قرضہ زکوٰۃ کی نیت سے معاف کر دیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، البتہ اُس کو دس روپے زکوٰۃ کی نیت سے دیدو تو زکوٰۃ ادا ہوگئی پھر یہی روپیہ اپنے قرضہ میں لے لینا درست ہے +

مسئلہ:۔ کسی کے پاس چاندی کا اتنا زیور ہے کہ حساب میں تین تولہ چاندی زکوٰۃ کی ہوتی ہے اور بازار میں تین تولہ چاندی دو روپے کو بکتی ہے تو زکوٰۃ میں دو روپے دیدینا درست نہیں، کیونکہ دو روپے کا وزن تین تولہ نہیں ہوتا۔ اور چاندی کی زکوٰۃ میں جب چاندی دی جائے تو وزن کا اعتبار ہوتا ہے، قیمت کا اعتبار نہیں ہوتا۔ ہاں اس صورت میں اگر دو روپے کا سونا خرید کر دیدیا۔ یا دو روپے کے پیسے یا دو روپے کا کپڑا یا اور کوئی چیز دیدی۔ یا خود تین تولہ چاندی دیدی تو درست ہے، زکوٰۃ ادا ہو جائیگی۔

مسئلہ:۔ زکوٰۃ کا روپیہ خود نہیں دیا بلکہ کسی اور کو دے دیا کہ تم کسی کو دیدینا یہ بھی جائز ہے، اب وہ شخص دیتے وقت اگر زکوٰۃ کی نیت نہ بھی کرے تب بھی زکوٰۃ ادا ہو جائیگی

مسئلہ:۔ کسی غریب کو دینے کے لیئے تم نے دو روپے کسی کو دیئے، لیکن اُسنے بعینہ وہی روپے فقیر کو نہیں دیئے جو تم نے دیے تھے، بلکہ اپنے پاس کے دو روپے تمہاری طرف سے دیدیئے اور یہ خیال کیا کہ وہ روپے میں لے لوں گا تب بھی زکوٰۃ ادا ہوگئی بشرطیکہ تمہارے روپے اُس کے پاس موجود ہوں، اور اب وہ شخص اپنے روپے کے بدلے میں تمہارے وہ دونوں روپے لیلے۔ البتہ اگر تمہارے دیے ہوئے روپے اُس نے پہلے خرچ کر ڈالے اسکے بعد اپنے روپے غریب کو دیئے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ یا تمہارے روپے اُسکے پاس رکھے تو ہیں

لیکن اپنے روپے دیتے وقت یہ نیّت نہ تھی کہ وہ روپے لیلوں گا کہ وہ روپے لیلوں گا تب بھی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ اب وہ دونوں روپے پھر زکوٰۃ میں دے۔

مسئلہ:۔ اگر تم نے روپے نہیں دیئے، لیکن اتنا کہہ دیا کہ ہماری طرف سے زکوٰۃ دیدینا۔ اس لیئے اُس نے تمہاری طرف سے زکوٰۃ دیدی تو ادا ہوگئی اور جتنا اُس نے تمہاری طرف سے دیا ہے اب تم سے لے لے۔

جانوروں کی زکوٰۃ

جانوروں میں صرف اونٹ، بکری اور گائے پر زکوٰۃ ہے۔ گھوڑے۔ خچر۔ گدھے پر نہیں۔ اگر کسی کے پاس پانچ اونٹ[1] ہوں اور اُن پر ایک سال گزر جائے، یعنی وہ سال بھر تک ملک میں رہیں تو سال بھر کا بکری کا بچہ زکوٰۃ میں دینا چاہیئے۔

بکریاں

چالیس بکریوں پر ایک سال گزر جائے تو سال بھر عمر کی بکری یا ایک بھیڑ زکوٰۃ میں دینی چاہیئے۔ چالیس سے لیکر ایک سو اکیس (۱۲۱) تک یہی ایک بکری سال دو سال عمر کی دینی ہوگی، البتہ ایک سو اور دو سو ہو جائیں اور اُن پر سال گزر جائے تو دو بکریاں دینی ہوں گی۔ دو سو کی تعداد تک اور دو سو سے چار سو تک کے لیئے تین بکریاں دینی لازم ہیں، پھر ہر سینکڑے پر ایک بکری بڑھتی چلی جائے گی۔

گائیں

تیس (۳۰) سے کم گائیں، بیل ہوں تو کچھ زکوٰۃ نہیں ہے۔ ہاں تیس سے لیکر چالیس تک ایک

---

[1] پانچ اونٹوں سے کم ہوں تو اُن پر زکوٰۃ نہیں ہے، زیادہ جس قدر ہوں اُن پر جدا گانہ حساب سے زکوٰۃ دینی چاہیئے۔ چونکہ ہندوستان میں اونٹ زیادہ نہیں ہوتے اس واسطے اس کی تفصیل چھوڑ دی گئی۔ حسن نظامی

بچھڑا دو سال کا دینا ہوگا اور چالیس سے بڑھ جائیں تو ساٹھ تک دو بچھڑے دینے ہونگے، اس کے بعد یہ حساب ہوگا کہ ہر چالیس پر ایک بچھیا یا بچھڑا دیا جائے۔ بھیڑ بکری کا یکساں حکم ہے۔ گر بھیڑ، بکری، گائے، بیل، اونٹ پر زکوٰۃ اُس وقت ہے کہ یہ جنگل میں چرتے ہوں اگر اپنے گھر میں دانہ گھاس کھلایا جائے تو زکوٰۃ نہیں ہے۔

مصرفِ زکوٰۃ

یعنی

زکوٰۃ کس کو دی جائے

قرآن شریف میں ارشاد ہے۔ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ +

(ترجمہ) زکوٰۃ فقیروں کو دینی چاہیئے اور مسکینوں کو اور اُن کو جو زکوٰۃ وصول کرنے کرانے کا کام کرتے ہوں اور اُن کو جن کے دل دینِ اسلام کی جانب مائل کرنے منظور ہوں اور غلام و قیدی آزاد کرانے میں اور قرضداروں کا قرضہ اُتروانے میں، اور جہاد کرنے والوں میں اور مسافروں میں"

خدا تعالےٰ نے آٹھ مصرف فرمائے، فقہا اور عالموں نے ان آٹھوں پر بڑی بڑی طول طویل بحثیں لکھی ہیں۔ میں مختصر طور سے ان آٹھوں کی حقیقت سمجھاتا ہوں۔

اوّل فقیر

فقیر شریعت میں اُس کو کہتے ہیں جس کے پاس ایک وقت کا بھی کھانا کپڑا نہ ہو، اور نہ کمانے کی طاقت ہو، اگر کمانے کی طاقت ہو تو وہ فقیر نہیں ہے، اسکو زکوٰۃ لیکر کاہل وجود بن جائے اور

کمانا چھوڑ دے۔ جو لوگ ہٹے کٹے کام کرنے کے قابل پیشہ ور فقیروں کو زکوٰۃ دیتے ہیں انکی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ شریعت کا حکم ہے کہ کام کرنے کے قابل فقیر کو کلہاڑی خرید کر دی جائے تاکہ وہ اُس سے لکڑیاں کاٹ کر لا سکے، اور خود کمانے لگے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر فقیروں کو زکوٰۃ کے روپے سے دوکان کرا دی جائے، یا پیشہ سکھایا جائے یا تعلیم دلوائی جائے تو یہ اچھا ہے بمقابلہ اسکے کہ اس کو نقد دیکر آئندہ کمانے سے کاہل بنا دیا جائے۔

۲ دوسرے مسکین

مسکین وہ ہے جسکا خرچ آمدنی سے زیادہ ہے۔ مثلاً ایک شخص پانچ روپے کا نوکر ہے، اور کئی بچے ہیں، پانچ روپے سے اسکی اور بچوں کی گزر اوقات نہیں ہو سکتی تو زکوٰۃ سے اسکی مدد کرنی چاہیئے مگر علماء نے فرمایا ہے کہ پہلے یہ دیکھ لینا چاہیئے کہ وہ اسراف اور فضول خرچی تو نہیں کرتا یعنی جو شخص فضول خرچی کے سبب آمدنی سے پورا نہ ڈال سکتا ہو وہ مسکین کے حکم میں نہیں ہے۔

۳ تیسرے تالیف قلوب

تبلیغ اسلام کے لئے کفار کی تالیف قلوب میں زکوٰۃ خرچ کرنے کا حکم ہے مگر اس میں بھی یہ خیال رکھنا ہوگا کہ ایسے کافروں کو نہ دے جو محض دُنیا اور روپے کے لالچ سے اسلام قبول کرتے ہوں، بلکہ ایسے لوگوں کی مدد کرنی چاہیئے جو احسان کے اثر سے مسلمانوں کی طرف مائل ہوں، اور اسلام کو سچے عقیدے سے بلا غرض قبول کریں۔

۴ چوتھے زکوٰۃ کے نوکر

اسلامی حکومت ہو تو وصولیِ زکوٰۃ کا محکمہ بھی ضرور ہوگا۔ اس محکمہ کے عہدہ داروں کی تنخواہ بھی زکوٰۃ سے دینی چاہیئے۔

اگر محکمہ قائم نہ ہو تو عاملین زکوٰۃ کے تحت میں وہ سب باتیں آئیں گی جنکے ذریعہ سے لوگ زکوٰۃ دینے لگیں اور اُن کو زکوٰۃ کی رغبت پیدا ہو اور زکوٰۃ کے مسائل معلوم ہوں۔

پانچویں قیدیوں کی آزادی

قیدیوں اور غلاموں کے آزاد کرانے میں بھی زکوٰۃ خرچ کرنی چاہیئے۔ مگر ہمارے ملک میں غلام تو ہوتے نہیں اب صرف یہ بات رہ گئی کہ اگر کوئی مسلمان بیگناہ قید ہوتا ہو تو زکوٰۃ کا روپیہ اُسکی رہائی کے لئے خرچ کرنا چاہیئے، خواہ ادائے ضمانت میں خواہ ادائے جرمانہ میں خواہ مصارف مقدمہ میں کسی طرح ہو۔

چھٹے مقروض

قرضداروں کا قرضہ اُتارنے میں بھی زکوٰۃ خرچ کرنے کا حکم ہے مگر یہ شرط لگائی گئی ہے کہ قرضہ ناجائز باتوں کا نہ ہو یعنی مقروض نے اسراف۔ فضولخرچی یا ان باتوں میں قرضہ نہ لیا ہو جو شریعت کے خلاف ہیں۔

ساتویں جہادی

دینی لڑائی کے خرچ میں بھی زکوٰۃ دینے کا حکم ہے، خواہ وہ لڑائی ہتھیاروں کی ہو خواہ زبان و قلم کی۔

آٹھویں مسافر

مسافروں کی مدد میں زکوٰۃ دینے کا حکم ہے، خدا نے اسکی تشریح نہیں فرمائی کہ وہ مسافر کس قسم کے ہوں، عام مسافر فرمایا ہے، اس واسطے ہر قسم کے مسافر جو مدد اور خرچ کے محتاج ہوں زکوٰۃ کے روپے سے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔

آٹھوں قسموں کا قائم مقام

آج کل کے زمانہ میں انسداد ارتداد کا کام ہے۔ یعنی مسلمانوں کو مرتد ہونے سے بچانا آئیے سماج کے

حلوں کو روکنا۔ اور زکوٰۃ کے روپے سے ایسی کتابیں خرید کر تقسیم کرنا جو مسلمانوں کو پکا مسلمان بنادیں اور وہ مرتد ہونے کی تباہی سے محفوظ ہو جائیں۔

یا زکوٰۃ ایسے کاموں میں خرچ کی جائے جن سے غیر مسلم قومیں مسلمان ہوں، لہٰذا جو لوگ اس رسالہ کو پڑھیں اُن کو لازم ہے کہ ہٹے کٹے شرابی جواری فقیروں کو زکوٰۃ نہ دیا کریں بلکہ اصلی مستحقوں کو دیں، اور سب سے زیادہ انسداد ارتداد کا کام کرنے والے لوگوں کی امداد زکوٰۃ سے کرنی چاہیئے۔

اگر کسی زکوٰۃ دینے والے کو میرے کام پر بھروسا ہو اور وہ اسکو مفید خیال کرے تو زکوٰۃ اس کام میں خرچ کر سکتا ہے۔

میرے کام کی صورت یہ ہے کہ میں ہر روز مسلمانوں کی دینی اور دُنیاوی اصلاح اور حفاظت و اشاعت اسلام کے لیئے ایک نئے مضمون کا اشتہار شائع کرتا ہوں، وہ اشتہار پانچہزار کی تعداد میں چھپتا ہے اور تمام ہندوستان میں اسکی تقسیم ہوتی ہے۔ ہزاروں مسلمان جنمیں پٹواری۔ پوسٹمین۔ کمپونڈر مدرس۔ پوسٹماسٹر۔ ڈاکٹر۔ نمبردار۔ ذیلدار۔ مسجدوں کے امام صاحبان ہیں تقسیم و اشاعت کا کام کرتے ہیں دوسرے آٹھویں دن اسلام اور مسلمانوں کی مختلف دینی و دُنیاوی ضرورتوں کے لیئے چھوٹے چھوٹے رسالے شائع کرتا ہوں، مثلاً اسلامی توحید۔ اسلامی رسول۔ اسلامی رسول کے اصحاب۔ تاکید نماز۔ جانباز مسلم بھوانی کی دوکان۔ آٹے کی دوکان۔ کپڑے کی دوکان۔ حلوائی کی دوکان وغیرہ رسالے شائع ہو چکے ہیں اور برابر ہو رہے ہیں۔

یہ اشتہار اور رسالے مفت بھی تقسیم ہوتے ہیں اور ان کی قیمت بھی لی جاتی ہے۔ جو قیمت سے فروخت ہوتے ہیں اسکی آمدنی پھر نئے اشتہاروں اور رسالوں میں صرف کر دی جاتی ہے۔

پس جو لوگ زکوٰۃ کا روپیہ اس کام میں دینا چاہیں اُن کو "حلقۂ مشایخ دہلی" کے پتے سے بطور نمونہ یہ اشتہارات اور رسالے منگا کر پڑھنے چاہئیں جب اُنکو یقین ہو جاسے کہ یہ طریقہ مفید ہے تو چاہیئے زکوٰۃ کا روپیہ دفتر حلقۂ مشایخ دہلی کو یہ لکھکر بھیجدیں کہ اس روپے سے فلاں رسالے یا فلاں اشتہارات

تقسیم کر دئیے جائیں، یا خود اشتہارات و رسالے زکوٰۃ کے روپے سے اپنے پاس منگالیں اور خود مناسب مقامات پر تقسیم کر دیں۔ یہ آخری صورت بہت مناسب ہے یعنی وہ خود ہی اپنے پاس منگا کر تقسیم کریں۔

بہرحال آجکل زکوٰۃ کا روپیہ انسداد ارتداد میں خرچ کرنا سب قسم کے مصارف زکوٰۃ سے اعلیٰ اور سب کا قائم مقام ہے۔ کیونکہ آریہ سماج اور عیسائی مشن مسلمانوں کو بے دین اور مرتد بنانے کا کام زور شور سے کر رہے ہیں، اور ان کے پاس لاکھوں کروڑوں روپے چندے کے آرہے ہیں، اگر اس وقت اسلام کی حفاظت نہ کی گئی تو خدانخواستہ بیشمار جاہل مسلمان اور مفلس مسلمان مرتد اور بے دین ہو جائیں گے۔

ہر صاحب زکوٰۃ مسلمان پر آجکل فرض ہو گیا کہ سب مصارف زکوٰۃ کو ملتوی کر کے صرف اسی ایک کام میں زکوٰۃ خرچ کرے۔ جب یہ فتنہ دور ہو جائے گا تو دوسرے مصارف زکوٰۃ میں روپیہ صرف ہو جایا کرے گا۔ اس وقت تو اس سے بڑھکر اور اس سے زیادہ اور کوئی ضروری کام نہیں ہے۔

حسن نظامی

ضروری اضافہ

یہ آٹھوں مصرف اس قابل ہیں کہ ان کو نہایت تفصیل سے لکھا جائے۔ اس واسطے ہر مصرف کا پورا بیان بڑھایا جاتا ہے، تاکہ یہ زکوٰۃ کا رسالہ ہر شخص کو مفید ہو سکے۔ (حسن نظامی)

فریضۂ زکوٰۃ

إِنَّمَا الصَّدَقَٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَٰكِينِ وَالْعَٰمِلِينَ

خیرات کا مال) تو بس فقیروں کا حق ہے اور محتاجوں کا اور (اُن کارکنوں کا جو (مال) خیرات (کے وصول کرنے) پر تعینات ہیں

عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِى الرِّقَابِ وَالْغَٰرِمِينَ

اور ان لوگوں کا جن کے دلوں کا پرچانا منظور ہے (ان کا بھی حق ہے) اور خیرات یعنی زکوٰۃ کو خرچ کیا جائے گردنوں (یعنی قید غلامی سے غلاموں کی گردن) کے چھڑانے میں اور قرضداروں کے قرضہ میں

وَفِى سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً

اور (نیز) خدا کی راہ (یعنی مجاہدین کے ساز و سامان) میں اور مسافروں (کے زاد راہ) میں (یہ حقوق) اللہ کے ٹھہرائے ہوئے ہیں

مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (پ توبہ ع ۸)

اور اللہ جاننے والا (اور) صاحب تدبیر ہے (مناسب جگہ خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے)

یورپ کے تمدن کی آج دھوم ہے اور بجا ہے لیکن کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ اس تمدن کے معاملے کے اصول میں کونسی ایسی نئی بات ہے جسکی تعلیم اسلام نے نہیں کی اور جو آج سے تیرہ سو برس پہلے دنیا کو نہیں بتادی۔ حریت و مساوات اسلام اپنے ساتھ لیکر آیا۔ عدل و رفق کا اس نے بہترین سبق پڑھایا علم و عقل سے کام لینے کی اسنے ہدایت کی۔ محنت و استقلال اور ایثار کی اسنے تعلیم دی مختصر یہ کہ انسانی تہذیب اور تمدنی ترقی کیلئے جو کچھ اصولاً چاہئیے وہ سب اسلام اور قرآن پاک میں موجود ہے۔ دل دانا اور چشم بینا کی ضرورت ہے کہ ان رازوں کو (اگرچہ وہ منکشف ہیں) سمجھ سکے۔ اور ساتھ ہی توفیقِ عمل اور عزم محکم کی تاکہ ان پر عمل کیا جا سکے۔ انہی دونوں باتوں کی مسلمانوں کو اپنی ترقی و اصلاح کیلئے احتیاج ہے اور یہ دونوں باتیں مسلمانوں میں پیدا ہو سکتی ہیں مگر اسکے لئے ضرورت ہے کہ قرآن پاک کے ان حکیمانہ اصول کو صاف صاف اور آسان عبارت میں بیان کیا جائے اور احکام قرآنی اور تعلیم اسلام کی دینی و دنیاوی برکتوں اور حکمتوں اور مصلحتوں پر روشنی ڈالی جائے۔

اسلام کے عملی احکام دو حصوں پر منقسم ہیں ایک حصہ حقوق اللہ اور دوسرا حصہ حقوق العباد کے متعلق ہے اور دونوں حصوں کے احکام انسانی فطرت کے اُس گہرے علم پر مبنی ہیں جو اس فطرت کے خالق ہی کو ہو سکتا ہے۔ ان احکام کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان پر آسانی سے عمل کیا جا سکتا ہے اور وہ ایسے وسیع اور عالمگیر ہیں کہ تمام زمانوں اور تمام قوموں کی ضروریات کے لئے کافی اور موزوں ہیں۔ حقوق العباد اور حقوق اللہ گو بادی النظر میں الگ الگ معلوم ہوتے ہیں مگر یاد رکھنا چاہئے کہ ان کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے۔ قرآن کریم کا ایک عظیم الشان مقصد انسان کی اخلاقی ترقی ہے۔ اور اول سے آخر تک قرآن مجید نے اس اہم مقصد کو مدِ نظر رکھا ہے۔ اسکے تمام احکام کی غرض یہ ہے کہ انسان کو درجہ بدرجہ اس اعلیٰ اخلاقی ترقی تک پہنچایا جائے جہاں تک اس کے لئے پہنچنا ممکن ہے لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ یعنی جب تک انسان اپنے بھائی کے لئے وہی بات پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے تو وہ مؤمن نہیں کہلا سکتا۔ یہ ایک ایسی تعلیم ہے جو سونے کے حروف میں لکھنے کے لائق ہے۔

• اسلام کے اُن عملی ارکان میں جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے ایک رکن اعظم زکوٰۃ ہے۔ زکوٰۃ درحقیقت اُس خواہش یا صفت کے باقاعدہ استعمال کا نام ہے جو اپنے ابنائے جنس کے ساتھ ہمدردی و رحم کرنے کی انسان کے دل میں قدرۃً و فطرۃً موجود ہے۔ لفظ زکوٰۃ تزکیہ سے نکلا ہے جس کے معنی پاک کرنے کے ہیں چونکہ زکوٰۃ انسان کے دل کو بخل اور خود غرضی کی نجاست سے پاک کر دیتی ہے اسلئے اصطلاح شرع شریف میں اسکا نام زکوٰۃ رکھا گیا ہے جیسا کہ اس آیۃ سے ثابت ہے۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ (پ ۱۱۔ توبہ ع ۱۳)

ترجمہ:۔ (اے نبیؐ!) لوگوں کے مال سے صدقہ لو کیونکہ یہ ان کی طہارت اور پاکیزگی کا باعث ہوگا۔

قرآن مجید میں جسقدر نماز و زکوٰۃ کی تاکید کی گئی ہے اور کسی امر معروف کی اتنی تاکید نہیں ہے۔ اسلئے کہ نماز اخلاقی مصلح ہے اور زکوٰۃ مادی مصلح۔ نماز شخصی اخلاق کو بالذات درست کرتی ہے اور زکوٰۃ قومی اجتماعی امراض کی خاص دوا ہے اور چونکہ یہ دونوں دوائیں لوگوں کو تلخ معلوم ہوتی ہیں اور وہ بربنائے تلخی ان سے اعراض کرتے ہیں اس لئے خدا تعالیٰ نے نماز و زکوٰۃ ادا کرنے کا بار بار حکم دیا اور نہایت تاکید کے ساتھ بلکہ ایک طرح پر کہا جا سکتا ہے کہ ترک زکوٰۃ ترک نماز سے بھی بڑھ کر ہے۔ اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے تارکانِ نماز کے لئے کوئی خاص عذاب مقرر نہیں فرمایا برخلاف اسکے زکوٰۃ نہ ادا کرنے پر خاص عذاب کی وعید آئی ہو۔ چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ

ترجمہ:۔ جو لوگ چاندی سونا جمع کرتے ہیں اور راہِ خدا میں صرف نہیں کرتے (اے نبیؐ) اُن سے کہدو کہ تم کو دردناک عذاب کا سامنا ہوگا۔

پھر اس دردناک عذاب کی یوں تصریح کی گئی ہے:۔

يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا

مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ ۝ (پ۱۰- توبہ- ع ۱۱)

ترجمہ۔ (یہی چاندی۔ سونا۔ روپیہ۔ اشرفی جسے تم جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہو اور قومی کاموں میں خرچ کرتے نہیں کرتے تم) قیامت کے دن آتش دوزخ میں لال کیا جائیگا اور پھر اس سے تمہاری پیشانیوں، پہلوؤں اور پشتوں کو داغ دیے جائینگے (اور عذاب کے فرشتے تم سے کہینگے) یہ تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا لو اب اس جمع کرنے کا مزہ چکھو۔

علم سیاست مدن (پولیٹیکل اکانمی) کا سب سے مشکل مسئلہ یہ ہے کہ افرادِ قوم میں بلحاظ فقر و دولت کیونکر ایک تناسب قائم کیا جائے۔ حکیم سولن کے عہد سے لیکر آجتک کوئی انسانی دماغ اس عقدہ کی گرہ کشائی نہیں کر سکا۔ یورپ میں نہلسٹ (جنکا مقصد یہ ہے کہ جملہ املاک پر افرادِ قوم کا مساوی حق تصرف اور یکساں حق ملکیت ہو) سوشیالسٹ (جنکا مقصد یہ ہے کہ اسباب معیشت پر سے شخصی ملکیت کو اٹھا دیا جائے اور جمہور کی ملک میں کر دیا جائے) نیشنلسٹ (جن کا مقصد یہ ہے کہ اراضی سکنی و زرعی کی ملکیت پیداوار اور آمدنی کو شخصی قبضہ سے نکال لیا جائے) یہ تینوں فرقے اسی مسئلہ تقسیم و تناسب دولت کے حل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں مگر ابتک کسی قابلِ اطمینان عملی نتیجہ پر نہیں پہنچے اور کیسے پہنچ سکتے تھے جبکہ قرآنِ پاک بہت پہلے فیصلہ کر چکا ہے کہ املاک پر سے حق ملکیت اشخاص کا اٹھا دیا جانا گو بادی النظر میں کیسا ہی خوشگوار معلوم ہو لیکن عملاً محال ہے۔

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ

ترجمہ۔ اور خدا ہی نے تم میں سے بعض کو بعض پر روزی میں برتری دی ہے تو جن کو برتری ملی وہ اپنا حصّہ زیر دستوں (یعنی نوکروں اور غلاموں) کو اس لئے واپس نہیں دینگے کہ سب آپس میں برابر ہو جائیں۔

مطلب یہ ہے کہ نظامِ تمدن اختلافِ حالات پر مبنی ہے۔ اگر سب آدمی سب باتوں میں یکساں

ہوں تو کیوں کوئی حاکم اور کوئی محکوم اور کیوں کوئی محتاج اور کوئی محتاج الیہ۔ کیوں کوئی مالک مکان اور کوئی کرایہ دار ہو۔ اس اختلاف کا دنیا میں قائم رکھنا خدا کے انتظام سے ہے اور دنیا میں امن اسی اختلاف حالت سے قائم ہے۔

الغرض آج جس مسئلہ کے حل کرنے کے لئے عقلائے یورپ کی عقلیں حیران ہیں اسلام نے جو اپنے پیرؤوں کو دنیا کی بہترین متمدن قوم بنانا چاہتا ہے تیرہ سو برس پہلے نہایت خوش اسلوبی سے ہمیشہ کے لئے طے کر دیا ہے۔ اسی کا نام فرضیت زکوٰۃ ہے جس کے ادا کرنے پر اس قدر سخت عذاب کی وعید آئی ہے۔ سطحی نظر سے دیکھنے والوں نے سمجھا کہ زکوٰۃ بھی صرف ایک طاعتی حکم ہے جس کی تعمیل میں امید ثواب ہے اور عدم تعمیل میں خوف عقاب۔ مگر قرآن کریم کے حکیمانہ اصول پر نظر تعمق ڈالنے والے لوگ جانتے ہیں کہ زکوٰۃ کو بہت بڑا تعلق تمدنی و اخلاقی مصالح سے ہے اور انہی کی تکمیل کے لئے خداوند جل و علیٰ نے ادائے زکوٰۃ کا حکم دیا ہے۔ زکوٰۃ سے غربا قوم کی پرورش اور حاجتمندوں کی کاربراری ہوتی ہے۔ مال کی محبت زکوٰۃ ادا کرنے والے کے اخلاق انسانی کو مغلوب نہیں کر سکتی۔ زکوٰۃ ادا کرنے والا غربا و مساکین کے ساتھ ہمدردی رکھتا ہے اور ان کو اپنی قوم کا ایک قابل رحم جزو سمجھتا ہے اور اس لیے بیحد دولت حاصل ہونے پر بھی اس میں تکبر اور غرور نہیں پیدا ہوتا۔ بخل، امساک، خود غرضی، غرور، حب دنیا وغیرہ سینکڑوں عادات رذیلہ سے زکوٰۃ دینے والا محفوظ و پاک رہتا ہے چنانچہ لفظ زکوٰۃ خود اس امر کی طرف ایما کرتا ہے کہ اس فعل میں تزکیہ و طہارت ملحوظ ہے۔

چونکہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے سے اخلاقی و تمدنی مقاصد و مصالح ناقص و ناتمام رہجاتے ہیں اور قوم کو سخت نقصان پہنچتا ہے اس لئے قرآن کریم میں زکوٰۃ نہ دینے والوں کے حق میں ارشاد فرمایا گیا ہے:-

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (پ ۴۔ آل عمران۔ ع ۱۹)۔

ترجمہ:۔ وہ لوگ جو ان نعمتوں میں بخل کرتے ہیں جو خدا نے ان کو دی ہیں۔ یہ ہرگز خیال نہ کریں کہ ان کے حق میں اچھا ہے بلکہ بُرا ہے۔ قیامت کے روز یہ چیزیں جن کا انھوں نے بخل کیا ان کے گلے کا طوق ہونگی[1]

الغرض جہانتک دیکھا جاتا ہے یہی معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کا حکم خاص نظام تمدن کے قائم رکھنے اور انسان کی شخصی و اجتماعی فلاح کے لئے ہے۔ خدا اسکا محتاج نہیں ہے کہ اُسے کوئی کچھ دے اور نہ خود لینا اس کی شان کے شایاں ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ و التسلیم نے مخاطب ہو کر فرمایا۔

أَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللهَ تَعَالٰى فَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ۔

ترجمہ:۔ ان کو بتادو کہ خدا نے ان پر صدقہ دینا فرض کیا ہے مالداروں سے لیا جائے اور غریبوں کو دیا جائے۔ تاکہ غرباء کے گروہ کثیر کو مالداروں کے ساتھ اُنس و محبت اور ان کی دولت و ثروت کے ساتھ بہبودی و خیر خواہی پیدا ہو جائے کیونکہ وہ ان کے مال میں اپنا ایک حصہ موجود قائم سمجھینگے اور اُس تمام مسلمان دولت مند کی دولت ایک ایسی مشترکہ کمپنی کی مانند ہو گی جس میں اعلیٰ و ادنیٰ حصہ دار شامل ہیں اور سب بقدر اپنے حصہ کے اس سے متمتع ہیں۔ اور یہی مفہوم مطلب مصارف زکوٰۃ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے۔ یہ مصارف ہی جو مندرجہ عنوان آیہ شریفہ میں بیان ہوئے ہیں خود فلسفہ زکوٰۃ کے مظہر ہیں جیسا کہ آیت پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ غنی و دولت مند اپنی دولت کا ایک حصہ فقراء و مساکین کی دستگیری میں خرچ کریں اور اُن لوگوں کی تالیف قلوب میں جن کے دلوں پر نور ایمان کی شعاعیں پڑنے لگی ہیں لیکن ابھی وہ راسخ الایمان نہیں ہیں۔ تاہم ظن غالب ہے کہ وہ ایمان لائینگے اور غلاموں کو غلامی سے چھڑانے، قیدیوں کو دشمنوں کی قید سے رہا کرانے میں اور قرضداروں کی اعانت اور مجاہدین کی امداد میں جو قوم اور دین کی حمایت و حفاظت میں جان تک سے دریغ نہیں کرتے۔ اور

[1] اس کی وجہ یہ ہے کہ اشیاء کی ارواح ان کے معانی کے موافق متمثل ہوتی ہیں۔ چنانچہ عالم معاد میں دولت کی محبت سانپ کی صورت میں متمثل ہوگی ۱۲ منہ

وبماندہ مسافروں کے ساتھ سلوک کرنے میں بھی جو اپنے عزیز و اقارب ۔ شہر و وطن اور اپنے مال و متاع سے دور پڑے ہوں اور بغیر کسیکی مدد و اعانت کے اپنے وطن اور گھر تک نہ پہنچ سکتے ہوں ۔

جس طرح قوم کے مصیبت زدہ لوگوں کی امداد کرنا باعث نظام تمدن ہے اسی طرح ان سے بے پروائی کرنا بھی خلاف انسانیت اور مخرب تمدن ہے ۔ ہر ایک ملک اور ہر ایک شہر ۔ ہر ایک قوم اور گروہ میں بالضرور بعض لوگ ناتوان اور حاجتمند اور مفلس و نادار ہوتے ہیں ۔ اور یہ حوادث آج ایک پر اور کل دوسرے پر ہوتے رہتے ہیں ۔ دنیا میں ایسی کوئی جگہ نہیں جہاں یہ قاعدہ جاری نہ ہو ۔ اب صورت حال یہی دو ہوں گی کہ یا تو اُن کی امداد و دستگیری کی جائے یا اُن کی طرف سے بیدرد ہو کر منہ موڑ لیا جائے ۔ اگر ان کی مدد نہ کی جائے گی تو وہ ضرور ہلاک ہو جائینگے اور بھوکے مرنے لگیں گے اور جب ہر چہار طرف سے بے بس اور نادار ہو جائینگے اور کوئی مفر باقی نہ رہیگا تو قوم کے دولتمندوں کی جانوں کو بد دعائیں دیتے ہوئے مرجائینگے ۔ یہ بھی قوم ہی کا ایک زبردست نقصان ہوگا ۔ اگر یہاں تک نوبت نہ پہنچے گی تو یقیناً یہ ضرور ہوگا اور ایسا ہونا بالکل قرین عقل و قیاس ہے کہ وہ ملک اور قوم میں تمدنی فساد کا موجب ہو کر رہینگے جو اور بھی باعث ننگ اور بدامنی کا سبب ہوگا ۔

روزمرہ کے واقعات اس پر کافی سے زیادہ گواہ ہیں ۔ دیکھ لو کہ جرائم کے مرتکب بالعموم وہی لوگ ہوتے ہیں جو فقر و مسکنت کے ہاتھوں تنگ آ گئے ہوں ۔ کال اور وبا میں بھی لقمۂ اجل زیادہ تر فقیر و مسکین ہی ہوتے ہیں ۔ پس اگر ان مسکینوں کی امداد نہیں کی جائیگی تو لامحالہ وہ پہلے قرض دام سے مالداروں پر ہاتھ صاف کرینگے ۔ یہ دروازہ بند ہو جائیگا تو چوری چکاری پر آمادہ ہونگے لوگوں کی جیبیں کاٹینگے ۔ قزاقی کرینگے ۔ مار دھاڑ اپنا پیشہ بنائینگے ۔ یوں بھی کام نہ چلیگا تو بدترین اخلاقی جرائم کے مرتکب ہو کر اپنا پیٹ پالینگے ۔

غرضکہ فقر و مسکنت قوم کے حق میں ایک بلائے مبرم اور مرض مہلک ہے ۔ اسی بلا سے محفوظ رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ مقرر کی تاکہ فقر و مسکنت کے جو نتائج بد پیدا ہوتے اور

تہذیب و تمدن میں خلل ڈالتے ہیں اُن کا انسداد ہو جائے۔

مذہبی نقطۂ خیال سے اس میں ایک اور بھی دقیق راز ہے اور اسی وجہ سے مذہب اسلام نے زکوٰۃ کو ایک رُکنِ عظیم قرار دے کر اس کی شد و مد سے تاکید کی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کسی مسکین کو کوئی حاجت پیش آتی ہے اور وہ زبانِ قال یا حال سے اُس کے لئے خدا تعالیٰ کے حضور میں گریہ و زاری کرتا ہے تو اُسکا یہ عاجزی کرنا خدا تعالیٰ کی بخشش کے دروازہ کو کھولدیتا ہے اور اُسوقت بتقتضائے مصلحت اکثر یہ ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی شخص کو الہام ہوتا ہے کہ اسکی حاجت رفع ہو جائے تب الہام اُس پر چھا جاتا ہے۔ اُسکے موافق خدا کی مرضی اور خوشنودی پیدا ہوتی ہے اور اوپر سے نیچے سے دائیں سے بائیں سے برکتیں اُسپر نازل ہوتی ہیں اور وہ قابلِ رحمت الٰہی ہو جاتا ہے۔ علومِ الٰہی کے وارث اور انوارِ رسالت سے حصہ پانے والے خوب جانتے اور اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ زکوٰۃ ادا کرنے سے الٰہی تعلق بہت مضبوط اور مستحکم ہوتا ہے۔ زکوٰۃ دینے کا فعل اور اُسکے آثار خود ظاہر کر رہے ہیں اور ہر مزاج سلیم میں یہ بات مرکوز ہے کہ یہ فعل کرنے سے بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی ہوتی ہے اور یہ ایسی خصلت ہے جسپر بہت سے اخلاق موقوف ہوتے ہیں جن کا انجام لوگوں کے ساتھ خوش معاملگی ہے۔

یہ اسلام ہی کو ایک خاص فخر حاصل ہے کہ وہ ایک اعلیٰ درجہ کی اخوت قائم کر کے سب کو مساوی حقوق دیتا ہے اور تمام ذاتوں اور پیشوں کے حدود کو مٹاتا ہے۔ قرآنِ شریف کا یہ فرمانا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے زیادہ شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ یہ قول ذات کی بڑائی یا ذات کے چھوٹے پن کے اصول کو جڑ سے اُکھیڑ دیتا ہے۔ شرافت یا کمینہ پن قرآن شریف کے نزدیک ذات پات پر مبنی نہیں بلکہ اعمال پر مبنی ہے۔ اسلامی تعلیم کی رُو سے کُل نسلِ انسان ایک کنبہ کی طرح ہیں۔ اس طرح اسلام ایک وسیع اخوت کی بنیاد ڈالتا ہے۔ جس میں مرد و زن خواہ کسی قوم اور ذات یا خاندان سے تعلق رکھتے ہوں اور خواہ سوسائٹی میں ان کی کیسی ہی حیثیت ہو اور خواہ کوئی پیشہ کرتے ہوں۔ امیر ہوں یا غریب اُن کے حقوق یکساں ہیں۔ اور کسی کو یہ اختیار

نہیں کہ اپنے بھائی کے حقوق کو دبا بیٹھے۔ اس اخوت میں ہر ایک کا فرض ہے کہ وہ دوسرے سے ایسا ہی سلوک کرے جیسا اپنے بھائی سے سلوک کرنا چاہئے۔ اسی اخوت کی ایک خصوصیت زکوٰۃ کا حکم ہے۔ ہر ایک مذہب نے خیرات و صدقہ کی تعلیم دی ہے۔ مگر اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے کہ جس نے اپنے پیروؤں کے لئے صدقہ کا ادا کرنا فرض اور لازم ٹھہرا دیا ہے۔ اسلامی صدقہ کا نام زکوٰۃ ہے اور اس کا ادا کرنا ایک مسلمان کیلئے ایسا ہی ضروری ہے جیسے نماز روزہ اور حج کا ادا کرنا ہر ایک شخص کو جو ایک تعداد مقررہ سے زیادہ مال کا مالک ہو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس مال کا ایک مقررہ حصہ الگ کرے اور اس سے بنی نوع انسان کی مدد کرے۔

آج کل برخلاف اس کے یورپ کے ملاحدہ کی کورانہ تقلید کی بدولت بعض لوگ ایسے بھی پیدا ہو گئے ہیں جو کہتے ہیں کہ "فقراء کی دستگیری اور مساکین کی امداد عبث ہی نہیں بلکہ مفسد تمدن ہے۔ عمل اور عوض کے بغیر کسی کو مال دینا اسکو بطالت و کسالت سکھانا اور سلف طلب کے زرین اصول کے خلاف دوسروں پر بھروسہ کرنے کا سبق دینا ہے۔ جس سے قوم میں بھیک مانگنے کی عادت پڑتی ہے۔ بھیک منگنے والوں کی تعداد میں ترقی ہوتی ہے اور آخر کار قوم خود فقر و فاقہ کی مصیبت میں مبتلا ہو جاتی ہے اور ذلت و خواری اُسے چاروں طرف سے آکر گھیر لیتی ہے۔" یہ کہنا ان کا بظاہر بہت کچھ شاندار اور قوی معلوم ہوتا ہے اور سطحی نظر سے کسی واقعہ کو دیکھنے والے اور عدم تدبر سے کام لینے والے اکثر آدمی بہت جلد ماننے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ یہ مرض اب ہندوستان میں بہت ترقی کر رہا ہے اور اس خیال کا مبدء یورپ ہے تاہم یورپ اس خیال کی اشاعت میں بہت کامیاب ہو رہا ہے اور لوگ ترک خیرات کو ایک بہت مفید کام خیال کرنے لگے ہیں۔ اخبار بین حضرات اور یورپ کے سیاحین اس امر کو خوب جانتے ہیں کہ بارہا ایسا دیکھنے اور سننے میں آتا ہے کہ بڑے بڑے متمول شہروں میں جہاں دولت کی کوئی کمی نہیں اکثر فقیر اور مسکین شاہراہوں پر بھوکے مر جاتے ہیں اور کسی کو اُن کے حالِ زار پر رحم نہیں آتا۔ اور اگر کبھی کوئی عقلمند ان دولتمندوں کو کہ جن کے ہاں دولت بھٹی پڑتی ہے ان کی اس

مستی اعتقلی پر ملامت کرتا ہے تو تھوڑی بے ساختگی اور بے تکلفی سے جواب ملتا ہے کہ چند افراد قوم کا مرجانا قومی تمدن کے حق میں اتنا مضرت رساں نہیں ہے جتنا کہ ان اخلاق مراض کے شکار کا زندہ رہنا باعث نقصان ہو۔ اگر محتاجوں کی اعانت میں مال کو خرچ کیا جائیگا تو یہ بھیک مانگنے کے عادی ہوکر ہزار ہا خرابیوں کے موجب ہونگے جس سے قوم کا تمدن بگڑ جائیگا اور قوم برباد ہو جائیگی۔

یہ جواب صرف سوفہم یا ضعف مال کا نتیجہ ہے۔ ورنہ حقیقت کو اس سے کوئی تعلق نہیں اسلام خدائے قدوس کا ایک سچا اور کامل پیام ہے جس طرح اس کے تمام ظاہری قاعدے تمام دنیا پر حکمراں ہیں۔ اور کوئی چیز ان سے باہر رہ کر زندہ نہیں رہ سکتی۔ اسی طرح قرآن اسلام مسلکے روحانی قاعدوں کا مجموعہ ہے۔ دنیا کی کوئی قوم ان قوانین الٰہیہ کی خلاف ورزی کرکے کبھی زندہ نہیں رہ سکتی۔ ان لوگوں نے اتنی بھی سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ جو نتائج بد ترک خیرات سے پیدا ہوتے ہیں۔ وہ ان سے کہیں بڑھ چڑھ کر خطرناک اور مالداروں کو تباہ اور بنائے تمدن کو خراب کرنے والے ہیں جو خیرات سے پیدا ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ دولتمند ساری قوم نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کا ایک حصہ ہوتا ہے باقی متوسط الحال اور غربا ہوتے ہیں۔ پس اگر متمول لوگ غربا کی ہر حالت میں اور متوسط الحال لوگوں کی وقت ضرورت مدد کرنے سے دریغ اور پہلو تہی کریں گے تو دولت صرف ایک فریق کا حصہ ہو جائیگی اور قوم یا ملک کا بڑا حصہ جو ہر حالت میں متمولوں سے صد چند بلکہ اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے فقر و افلاس کی مصیبت میں گرفتار ہوگا جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ رفتہ رفتہ یہ طبقہ ہلاک ہوتا جائیگا اور یوماً فیوماً اس کی واقع ہوتی جائیگی اور ایک دن اس طرح تمدن اور قوم کی جڑ کٹتے کٹتے بالکل فنا ہو جائیگی۔ جسقدر غربا اور فقرا کا شمار کم ہوتا جائیگا اسی قدر اصول تمدن کے موافق متمولوں کی ضروریات زندگی گراں ہوتی جائینگی کیونکہ مالداروں کی کمائی میں صرف ان کی سعی و کوشش اور سرمایہ و قابلیت ہی کو نہیں بلکہ مزدوروں اور غریبوں کی محنت کو بھی دخل ہوتا ہے۔ مزدور اور غریب جتنے کم ہوتے جائینگے اتنا ہی سرمایہ دار متمولوں کی آمدنی پر اثر پڑیگا۔ اور فقر و فاقہ کی عمومیت اور دروازہ رزق کی بندش سواد اعظم کو آمادہ کرے گی

کروڑوں دولتمندوں کو وہشت لیں اور مالداروں کو اس خوف سے یا تو اپنے توده دوں کے منھ کو بھر انھیں راضی کرنے پر مجبور ہونا پڑیگا یا اُن کی دست تعدی کی شکار ہونگے جو ہر صورت میں باعثِ نقصان اور موجب تزوالِ تمدن ہے ۔چنانچہ نہ صرف یورپ اور امریکہ میں، بلکہ ہندوستان میں مزدوری پیشہ محتاج ہوکر یہی وطیرہ اختیار کرتے جاتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ ایسی ناگوار صورتِ حال ملک و قوم اور تمدن کے لئے بیحد مضر ہے

یہ سمجھ لینا بھی اس مسئلہ کے حل کے لئے کافی نہیں کہ جب قوم میں کسالت و بطالت ہی نہ ہوگی تو فقر و فاقہ کیوں اس کو تنگ کرنے لگا۔ اس لئے کہ ہر شخص کو فقر و فاقہ کسالت اور بطالت ہی سے لاحق نہیں ہوتا بلکہ اس کے اور بھی اتفاقی اسباب ہیں۔ اور ہوتے رہتے ہیں ۔اکثر اوقات غریب لوگ اگرچہ بڑی بڑی پیش بندیاں کرتے اور کسبِ مال کی عمدہ عمدہ راہیں سوچتے ہیں لیکن ناکام رہتے ہیں۔ بلکہ اکثر مزید فلاکت میں پڑ جاتے ہیں کسبِ مال کی ایک عمدہ راہ تو آدمی غور و فکر سے نکال لیتا ہے لیکن اپاہج ہونے کی یا دیگر اسباب مساعدنہ ملنے کی وجہ سے اُس کسب پر قادر نہیں ہوتا ۔انہی تمام حالات و مصالح کو مدنظر رکھکر اسلام نے زکوٰۃ کو فرض قرار دیا ہے اور یہ ایسا پاک اُصول ہے کہ کسی سلیم الفطرت اور صحیح الدماغ انسان کو اس پر اعتراض کی گنجایش نہیں ہوسکتی۔

مسلمانوں کی بے محل خیرات کو دیکھ کر بعض نافہم معترض اسلامی زکوٰۃ پر اعتراض کرتے ہیں اور زکوٰۃ کو بطالت و کسالت کا پیدا کرنے والا قرار دیتے ہیں ۔لیکن اُن کا یہ اعتراض اسلامی زکوٰۃ پر کسی طرح عائد نہیں ہوسکتا۔ اسلئے کہ اگر بلا معاوضہ عمل فقرار کی امداد و اعانت کرنا موجب بطالت و کسالت ہے تو صرف اُن لوگوں کے لئے ہے جو کسب کی قدرت ہی نہیں رکھتے۔ یا انکا کسب باوجود جد و جہد کے اُن کے عیال کی معاش کے لئے کافی نہیں ہوتا۔ اسلام یہ سکھاتا ہے کہ ایسے لوگ جس کام کی استعداد رکھتے ہوں اُن کو مالی امداد دے کر اس کام کے قابل بنایا جائے یعنی تعلیم صنعت و حرفت۔ دوکانداری ۔جدھر اُن کی طبیعت کا میلان پایا جائے

ادھر اُن کو لگایا جائے۔ اور اُس کاروبار میں اُن کی مدد کی جائے۔

اسلام بیشک مساکین کی امداد کی تعلیم دیتا ہے۔ مگر مسکینوں سے مراد وہ نیکوکار حاجتمند ہیں کہ جو اپنی کسب معاش سے معذور ہوں مسکین وہ گوشہ نشین ہیں جو باوجود حاجتمند ہونے کے شرم و حیا کی وجہ سے ہاتھ نہیں پھیلاتے۔ مساکین کئی قسم کے ہیں۔ مثلاً ایک شخص لوہار کا کام جانتا ہے مگر اوزار نہیں رکھتا۔ اُس کو اوزار کی ضرورت ہے۔ اس کی اوزاروں سے مدد کرنے کا حکم ہے تاکہ وہ اپنے کام کو چلا سکے۔ ایک شخص درزی ہے۔ سینا تو جانتا ہے مگر سوئی۔ قینچی۔ گز۔ مشین خریدنے کا مقدور نہیں رکھتا۔ پس اسکی امداد ان چیزوں کا مہیا کر دینا ہے۔ صاحب تصانیف جو اپنی کسی تصنیف کی اشاعت نہیں کر سکتا اسکو اشاعت میں مدد دینا۔ بعض کم اشاعت قومی اخبارات والے یا وہ لوگ جو کتابیں اور اخبار خود نہیں خرید سکتے۔ وہ سب اس زمرہ میں داخل ہیں اور اپنی اپنی حیثیت اور حاجت کے لحاظ سے مسکین ہیں۔ اور اصطلاح شرع میں فقیر وہ شخص ہے جس کے پاس خود بھی کچھ مال ہو لیکن قدر نصاب سے کم ہو۔ اور مسکین وہ شخص ہے جو ایک دن کی خوراک یا پوشش کا بھی مالک ہو اور بغیر سوال کے ایک دن بھی نہ گذرے۔ اسی لئے فقہار کہتے ہیں کہ ایسے مسکین کو ایک دن کی روٹی کپڑے کا سوال کرنا بھی جائز ہے اور فقیر کو جائز نہیں۔

اور حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ مسکین وہ شخص نہیں ہے جس کو چھوہارے اور کھانے کی تمنا در بدر لئے پھرتی ہو۔ بلکہ مسکین وہ ہے جو کسی سے سوال نہ کرے (بخاری شریف۔ کتاب الفرقان) یعنی جسے سوال کرنے سے حیا مانع ہو۔ ایسا شخص مسکین ہے اس کی امداد سب سے مقدم ہے۔

ایسے لوگوں کی دستگیری پر ہرگز اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ اور شریعت اسلام ایسے لوگوں کو زکوٰۃ دینے کا حکم دیتی ہے جو کسب کی قدرت نہیں رکھتے یا باوجود سعی کامل کے بھی اُن کا کسب اُن کی معیشت کو کافی نہیں ہوتا حتیٰ کہ فقہاء اور علماء اسلام نے لکھا ہے جو کسب معاش پر قادر ہے وہ غنی ہے۔ اگر کسی کے پاس ایک کلہاڑا اور رسی ہے وہ بھی غنی ہے جبکہ کوئی

رشتہ دار اعانت کرتا ہے اور اس کے اخراجات کا کفیل ہے وہ بھی غنی ہے۔

اسلام یہ تو بیشک سکھاتا ہے کہ جو کوئی تم سے کچھ مانگنے آئے اُسے دیدو۔ مگر ہاں ساتھ ہی وہ غیر مضطر کے لئے دستِ سوال پھیلانے اور گداگری کرنے کو حرام قرار دیتا ہے۔ اور صدقات و خیرات کو لوگوں کا میل بتاتا ہے حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم فرماتے ہیں:۔

اِنَّ هٰذِهِ الصَّدَقَاتِ اِنَّمَا هِیَ مِنْ اَوْسَاخِ النَّاسِ وَاِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَّلَا لِاٰلِ مُحَمَّدٍ (الحدیث)

ترجمہ:۔ یہ صدقات لوگوں کا میل ہوتے ہیں اس لئے یہ نہ محمدؐ کے لئے حلال ہیں اور نہ اولادِ محمدؐ کے لئے حلال ہیں۔ (یعنی سادات کرام کے لئے)

چنانچہ ہمارے زمانہ کے غنی صفت بھیک منگتے بھی کہتے ہیں "بابا پیسہ ہاتھ کا میل ہے"۔

اسی واسطے حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ایک دوسری حدیث میں یوں فرمایا ہے کہ:۔

نَحْنُ اَهْلُ الْبَیْتِ لَا تَحِلُّ لَنَا الصَّدَقَةُ ترجمہ ہم اہلِ بیت ہیں ہمارے لئے صدقہ حلال نہیں۔

اہلِ بیت سے مراد علمائے اسلام کے نزدیک بنو ہاشم۔ آلِ علی و عباس و جعفر و عقیل و حارث بن عبد المطلب ہیں۔ چونکہ بعض مذاہب نے اپنے متبعین کے معزز افراد کو شرافتِ نفس اور خاندانی اعزاز کے لحاظ سے صدقات و خیرات کا مستحق قرار دیا تھا۔ اسی بنا پر ان مذاہب کے مقتداؤں اور پیشواؤں نے ذرائع معاش میں سے کسی کو ہاتھ لگانا تقدس و اعزاز کے خلاف سمجھا اور گداگری سے اپنی ضرورتوں کو پورا کرنا بنظرِ استحسان دیکھا اور رفتہ رفتہ عضوِ معطل ہو گئے۔ اسی لئے حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی دور اندیش خداداد عقل و بصیرت نے اس کو مدِ نظر رکھ کر اپنے خاندان اور اپنی اولاد کو اس سے بچانے کے لئے فرمایا کہ ان کے لئے صدقہ لینا حرام ہے۔ آپ نے گداگری کو ایک نہایت مبتذل شیوہ قرار دیا اور اسکی نسبت نہایت شد و مد سے وعید فرمائی۔ اور اگر اجازت دی بھی تو ایسی سخت مجبوری اور معذوری کی حالت میں کہ جب کسبِ معاش سے بالکل معذوری و مجبوری ہو۔ تاکہ وہ مفسد پیدا نہ ہوں جو دوسروں کی کمائی پر نیت رکھنے اور خود بیکار

ہوکر بیٹھ رہنے سے پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) اجازت دینے کی صورت میں بھی اپنے معزز خاندان کو علیحدہ کرلیا۔ چونکہ خاندانی اعزاز اور شرافت نفس کے لحاظ سے خود آپ کا خاندان سب سے زیادہ معزز تھا۔ اس لحاظ سے حضور (صلی اللہ علیہ آلہ وسلم) نے سادات کے لئے زکوٰۃ و صدقہ کو قطعًا حرام کردیا۔ تاکہ خاندان کی عزت و شرافت پر کسی قسم کا حرف نہ آنے کے علاوہ گداگری جیسا ذلیل پیشہ نہ پھیلنے پائے اور لوگوں کے صدقات کے میل کھانے کی عادت نہ پڑ جائے۔ صدقات کے میل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ صدقات کے دینے سے گناہ دور ہوتے ہیں اور بلا دفع ہوتی ہے اور ان باتوں میں صدقات انسان کا فدیہ ہوتے ہیں۔ اس لئے ملاءِ اعلیٰ کے ادراکات میں یہ صدقات ان صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں اور اکثر اہلِ مکاشفہ اس امر کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

اس حکم میں ایک یہ بھی راز ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بنفس نفیس صدقہ لیتے اور اپنے عزیزوں اور اُن لوگوں کے لئے جن کا نفع اپنا ہی نفع ہے صدقہ لینا جائز فرما دیتے تو اس بات کا قوی احتمال تھا کہ لوگ آپ سے بدگمان ہوتے اور آپ کے حق میں وہ باتیں کہتے جو بالکل لغو ہوتیں۔ اس لئے آپ نے اس دروازہ کو بالکل بند کردیا اور اس بات کو ظاہر فرمایا کہ صدقات کے منافع انہیں لینے دینے والوں کی طرف عائد ہوتے ہیں اور انہی کے اغنیا سے لیکر انہی فقرا کو واپس دیدیئے جاتے ہیں یہ اُن کے حق میں بڑی رحمت اور مہربانی اور بھلائی کا پہنچانا اور بُرائی سے بچانا ہے۔

شامتِ اعمال کا نتیجہ دیکھیے کہ باوجودیکہ حضرت نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس درجہ کی سختی سے اپنے خاندان اور اپنی آل کو صدقات کے کھانے سے منع فرمایا۔ تاہم سادات کرام نے اسی گداگری کو پیری مریدی کا نام رکھکر اپنا پیشہ مقرر کرلیا اور اس سرے سے لیکر دُنیا کے اُس سرے تک یہ وبا سادات کرام میں ایسی پھیل گئی ہے کہ جس کا علاج اب ناممکن ہو گیا ہے۔ اگر حضور سرور رسولِ اکرم خداہ ابی و امی اتنا بھی نہ کرتے تو خدا جانے

نوبت کہاں تک پہنچتی۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام اِس بات کو اپنے نورِ بصیرت اور عقلِ خداداد سے جانتے تھے کہ جو لوگ صرف مانگ کر گذارہ کرنے کے عادی ہو جاتے ہیں اُن میں سے تقویٰ وعفت وشجاعت اور دیگر اخلاقِ فاضلہ ضائع ہو جاتے ہیں۔ اُن کی ہمتیں بہت پست ہو جاتی ہیں۔ محنت وکسب اور تحصیل کمالات سے وہ جی چراتے ہیں۔ بسا اوقات عیاشی ان کا پیشہ ہو جاتا ہے عیش وآسایش اور آرام طلبی اُن کے رگ وریشہ میں سرایت کر جاتی ہے۔ اِن امور کو مدِنظر رکھکر آپ کو خوف دامنگیر ہوا کہ مبادا عام مسلمان اور میری آل لوگوں کی خیرات وصدقات پر تکیہ کرکے تحصیلِ کمالات میں سُست نہ ہو جائیں۔ آپ نے تمام مسلمانوں کو عمومًا اور اپنی اولاد کو خصوصًا صدقات کھانے اور گداگری کرنے سے منع فرمایا۔ تاکہ وہ ایسے امورِ دنیہ کے عادی ہونے سے سخت دل نہ بنیں اور ایسے رزقِ ذلت کے طالب بنکر ذلیل وخوار نہ ہو جائیں بلکہ آپ نے فرمایا کہ :- الید العلیا خیر من الید السفلیٰ یعنی دینے والا ہاتھ لینے والے سے اعلیٰ / اچھا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایسی روزی اور ایسے طریقۂ حصول کی نسبت کیا خوب فرماتے ہیں ؎

لَاتَطْلُبَنَّ مَعِیْشَۃً بِمَذَلَّۃٍ ‏ وَارْفَعْ بِنَفْسِكَ عَنْ دَنِیِّ الْمَطْلَبِ

وَاِذَا افْتَقَرْتَ فَدَاوِ فَقْرَكَ بِالْغِنٰی ‏ عَنْ كُلِّ ذِیْ دَنَسٍ كَجِلْدِ الْاَجْرَبِ

فَلَیَرْجِعَنَّ اِلَیْكَ رِزْقُكَ كُلُّہٗ ‏ لَوْكَانَ اَبْعَدُ عَنْ مَحَلِّ الْكَوَاكِبِ

یعنی (۱) ذلت کے ساتھ روزی کو تلاش نہ کر۔ اور اپنے نفس کو خسیس مطلب سے بچالے۔

(۲) اور جب تو محتاج ہو تو علاج کر اپنی محتاجی کا بے پروائی کے ساتھ۔ ہر ایک پلید سے جو پوست کو گمن کی طرح ہو۔

(۳) پس جلد پھر آئیگا تیری طرف رزق تیرا سارا۔ اگرچہ وہ دور ہو ستاروں کے مقام سے

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فقرا و مساکین کے لئے مالِ زکوٰۃ میں سے حصہ تو مقرر کیا ہے مگر ایسے حکیمانہ انداز سے کہ اگر اُس پر دینے والے اور لینے والے دونوں غور کریں اور خدا کا خوف دل میں رکھکر عمل پیرا ہوں تو چند دنوں میں رسم سوال جہان سے بالکل اُٹھ سکتی ہے۔ آپ نے اُمراء کو برمحل خیرات کرنے اور عدل و انصاف ملحوظ رکھنے کی ہدایت فرمائی اور غرباء کو قناعت و صبر کی تعلیم و تلقین کی۔ گویا اس طرح رسم سوال والحاح کا استیصال کر دیا۔ مگر کیا یہ امر قابلِ افسوس و اندوہ نہیں ہے کہ آجکل کے بعض ہٹے کٹے مشٹنڈے مسلمانوں نے سوال (گداگری) کو پیشہ اختیار کر لیا ہے اور شب و روز نہایت بیحیائی۔ نہایت بے شرمی۔ نہایت بیباکی اور نہایت بے غیرتی کے ساتھ کوچہ و بازار میں دستِ سوال دراز کرتے ہیں مسلمانوں کے اکثر خاندان اپنی اولاد کو مانگنا ہی سکھاتے ہیں۔ بالخصوص حضرات سادات کرام کا نمبر اِس میں سب سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ کس قدر شرم کا مقام ہے کہ جس مذہب کے قواعد و ضوابط ان دقیق مصالح عباد پر مشتمل ہوں اسی مذہب کے نام لیوا کثیر تعداد میں بھیک مانگتے نظر آئیں۔

گداگری کی مذموم عادت مسلمانانِ ہندوستان میں بالخصوص بُری طرح پھیلتی جاتی ہے اور وہی مضار اب ظہور پذیر ہو رہے ہیں جو دوسروں کی کمائی پر نیت دھرنے اور خود بیکار ہو کر بیٹھ رہنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ سب نتائج خیرات و صدقات کے غلط استعمال اور احکام اسلام کی خلاف ورزی اور موقع و محل کے نہ سمجھنے کی وجہ سے ہیں۔ اس معاملہ میں مسلمانوں کو ضرور اپنی خداداد عقل سے کام لینا چاہئے اور اس مرض کے دفعیہ کے لئے بھی مناسب تجاویز سوچنی چاہئیں۔

ہمارے زمانہ کے اکثر فقیر ۹۰ فی صدی امیر ہیں اور اس لائق ہیں کہ اُن کی امداد و اعانت سے قوم دستکش ہو جائے اور انھیں بجبر و رضا اپنے لئے آپ کام کرنا سکھائے کیونکہ یہ مضطر فقیر نہیں ہیں بلکہ لٹیرے ہیں۔ کمانے کی طاقت رکھتے ہیں لیکن نہیں کماتے۔ یہ ہیں قوم کو خراب اور تباہ کرنے والے۔ زکوٰۃ، فطرہ، خیرات سبھی پر ہاتھ صاف کرتے ہیں۔ اور مسلمان ہیں کہ انہی کو

فقیر سمجھتے ہیں اور دیتے ہیں جو انہیں نہ دینا چاہتے۔ ایسے متمول لوگ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ مسلمانوں کی خیرات و صدقات سے بخلاف حکم خدا اور رسول زیادہ تر وہ ہٹے کٹے اور مشٹنڈے مستفیض ہوتے ہیں جو بالکل نااہل و غیر مستحق ہیں اور جن کا کمایا پاپ نہ پُن کا مورد مصداق ہے۔ اسی تساہل و تغافل کا نتیجہ ہے کہ قوم میں گداگروں کی تعداد روز افزوں ہے اور قومی کام کمی سرمایہ کی وجہ سے ادھورے اور ناتمام پڑے رہتے ہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ اگر فقیر سچے مسلمان ہوتے تو وہ ہاتھ نہ پھیلاتے اور اگر عام مسلمان حقیقی اسلام کے پابند ہوتے اور فقرا مضطر کو جانتے تو نہ انھیں یوں دیتے اور روپے دیکر بلاتے اور نہ قوم کے ایک متمول حصہ کو یوں تباہ کرتے اور نہ خود بے خبر رہتے اور نہ خسارہ اٹھاتے اگر زکوٰۃ و خیرات احکام اسلام کے مطابق ہو تو قومی اغراض و مقاصد کو مکتفی ہو سکتی ہے اور مسلمانوں کے تمام ادھورے اور ناقص اور ناتمام کام پورے اور کامل ہو سکتے ہیں۔

ہمارے اسلافِ کرام خیرات کرتے تھے اور سائل کو ضرور دیتے تھے لیکن یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مسلمان ہاتھ پھیلانے کو عار اور ننگِ ہمت جانتے تھے۔ اور بغیر سخت اضطرار کے سوال کیلئے لب نہیں ہلاتے تھے۔ ایسے ہی سائلوں کے حق میں ہے "وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ" (سائل کو مت جھڑکو) نہ ہمارے زمانہ کے سائلوں اور فقیروں کے حق میں جو ۹۵ فی صدی مضطر ہوتے ہیں اور نہ کسبِ معاش سے عاجز بلکہ خاصے کمانے کے لائق اور اپنے عیال کی پرورش کے قابل ہیں مگر نہ مانگتے ہوئے شرماتے ہیں اور نہ اصرار کرتے اور پیچھے پڑتے ہچکچاتے ہیں۔ کھسوٹتے ہیں اور غراتے ہیں۔ کمر میں اشرفیاں ہوتی ہیں اور کوڑی کیلئے ہاتھ پھیلاتے ہیں۔ لنگڑے لولے نہیں ہوتے زبردستی ہاتھ پاؤں سے گودڑ لپیٹ کر اپاہج بنتے ہیں اور اس بُری طرح سے گڑگڑاتے ہیں کہ سخت سے سخت دل والے کو بھی رحم آجاتا ہے۔

برخلاف ان کے قرونِ اولیٰ کے فقیر و مسکین جنکے متعلق فرمایا گیا ہے وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ایسے تھے کہ خود جاکر بیت المال سے مانگنا عار جانتے تھے۔ اور پیٹوں پر پتھر

باندھ کر گزر کرتے اور ہنڈیا میں پتھر ڈالکر اور اُسے چولہے پر چڑھا کر بچوں کو بہلاتے اور یہاں تک صبر کرتے تھے کہ اُن کے فقر و فاقہ کی خبر از خود بیت المال تک پہنچے اور ملے جو اُن کا حصہ اور خدا کا حکم ہے۔

یورپ و امریکہ میں جہاں لاکھوں کنجوس اور خیرات سے دریغ کرنے والے ہیں وہاں کروڑوں ایسے بھی موجود ہیں کہ جو فقراؤ مساکین کی امداد کرنا اپنا فرض جانتے ہیں۔ مگر وہاں کے مخیر ہمارے ملک کی طرح بے محل خیرات نہیں کرتے اور مسرف نہیں بنتے۔ وہاں گداگری ایک جرم ہے اور اگر وہ قانون یہاں ہندوستان میں بھی جاری ہو جائے تو اس سے ہزاروں نتائج حسنہ ظہور پذیر ہو سکتے ہیں۔ عیسائیوں کا طرز عمل دین فطرت کی تعلیم و تلقین کے بالکل مطابق ہے اُنکی خیراتوں کے مرکز مقرر ہیں اور وہ انکے معتمد علیہ اُن کی وصیت و ہدایت کے موافق فقراء و مساکین اور درماندہ اپاہجوں کو تقسیم کرتے ہیں اطراف و اکناف عالم میں اشاعت عیسائیت کیلئے مناد بھیجتے ہیں۔ صنعت و حرفت کے کارخانے جاری کرتے ہیں۔ شفا خانے اور ہسپتال قائم کرکے لوگوں کے دلوں کو عیسائیت کی طرف راغب کرتے ہیں۔ کالجوں اور سکولوں کے ذریعہ سے دوسری قوموں کے دلوں میں عیسائیت کی عزت و عظمت کا سکہ بٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور یہی بالکل قرآن کریم کا حکم ہے جس کے آگے عیسائیوں کو مجبوراً سر تسلیم خم کرنا پڑا ہے۔

اسلام نے زکوٰۃ کا سب سے پہلا مستحق ذوی القربیٰ کو قرار دیا ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک کے اکثر مقامات پر موجود ہے۔ اسلام سکھاتا ہے کہ رشتہ داروں کی مدد کرنی سب سے مقدم ہے کیونکہ رشتہ داروں کو انسان اچھی طرح جانتا ہے کہ کون امداد کا مستحق ہے۔ وہ تعلیم دیتا ہے کہ مجھکو یہ بات ہرگز پسند نہیں کہ تم خود بنگلوں۔ کوٹھیوں اور شاندار محلوں میں رہو۔ اور تمہارے عزیز و اقربا بھوکے رہیں۔ تم بگھی، لینڈو پر لدے پھرو اور وہ پیدل جوتیاں چٹخاتے پھریں۔ تمہارے لڑکے تو بی۔ اے۔ ایم۔ اے ہوں۔ وکیل و بیرسٹر بنیں اور

تمہارے بھائی بند جاہل محض کندۂ ناتراش رہیں۔ تمہارے بچے اگر گلفس و متن اڑا ئیں تو تم اپنے اعزہ و اقارب کے بچوں کی دال روٹی کا بھی فکر نہ کرو۔ بلکہ وہ کہتا ہے کہ تم اپنے ذوی القربیٰ کا ہر حال میں خیال رکھو۔ تمہارے لڑکے اگر علیگڑھ کالج یا حمایتِ اسلام لاہور یا دیگر سرکاری سکولوں اور کالجوں میں تعلیم پائیں تو تم اپنے بھائی بندوں کی اولاد کی تعلیم کا بھی فکر کرو۔ ایسا نہو کہ وہ گلیوں میں آوارہ پھرتے رہیں۔ ذوی القربیٰ سے مراد مقامی فرد بھی ہیں پہلے اپنے اپنے شہروں اور گاؤں کے مسلمانوں کی اصلاح پر مال خرچ کرو۔ یہ ایک نہایت مستحسن امر ہے اور قوم کو جسقدر جلد فائدہ اس طرح پہنچ سکتا ہو وہ کسی اور طریقے سے نہیں پہنچ سکتا۔

فقراء مساکین میں سب سے پہلے امداد کے مستحق قوم کے یتامیٰ ہیں یتیم کہتے ہیں اُس بچے کو کہ جس کا باپ قبل اس کے کہ وہ سنِ بلوغیت کو پہنچے تربیت کی منزل طے کرے اور کسبِ معاش پر قادر ہو فوت ہو چکا ہو۔

یتیم دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ کہ جن کے باپ اسقدر مال و منال۔ دولت و متاع چھوڑ مرتے ہیں جو اُنکی تربیت و پرورش کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔ دوسرے وہ جو اپنے باپ کے مرنے کے بعد نانِ شبینہ کے محتاج اور غیروں کے دست نگر ہوتے ہیں۔

پہلی قسم کے یتیم مالی امداد کے محتاج نہیں ہوتے۔ لیکن خاص قسم کی نگہداشت کے محتاج ہوتے ہیں تاکہ اُن کا مال ضائع نہ ہو جائے یا وہ اُسکو بیہودہ کاموں اور فضول خرچیوں میں اڑا دیں اس قسم کی نگہداشت کے متعلق خدائے تعالیٰ نے جُداگانہ حکم دیا ہے۔

مگر دوسری قسم کے یتیم مالی امداد اور اخلاقی تربیت کے خاص طور پر حاجتمند ہوتے ہیں انسانی رحم و شفقت کا تقاضا یہی ہے کہ ان یتیموں کی خبرگیری کی جائے۔ قطع نظر از رحم و شفقت قومی مصلحت بھی یہی ہے کہ ان یتیموں کو سنبھالا جائے۔ انکی ناگزیر ضرورتوں کو پورا کیا جائے۔ قوم کی خبر نہ لینے کی صورت میں یہ بچے بلک بلک کر مر جائینگے۔ اور جسقدر یہ بچے ضائع ہوں گے قوم قسمتی انقلاب کہلائیگی۔ اور اپنے آدمی ہاتھ سے کھو دینے سے اسکو سخت تمدنی و اجتماعی نقصان

اُٹھانا پڑے گا۔

اگر قوم خبر نہ لیگی اور ماں انکی تنگ ہو کر باہر نکلیگی تو ہو سکتا ہے کہ وہ بچوں کی محبت کے مارے یا بباعث تنگی کسی جرم قبیحہ کی مرتکب ہو جائے جس سے قوم بدنام ہو گی اور قوم میں اخلاقی بیماری نمودار ہو جائیگی۔

اگر والدہ نے تنگ آکر کسی دوسرے شخص سے نکاح کر لیا اور دوسرے خاوند نے ان بچوں کی کفالت سے جی چرایا تو ماں کی محبت چونکہ بچوں سے بہت زیادہ ہوتی ہے تو ضرور ہے کہ میاں بیوی میں ناگوار صورتیں واقع ہو کر شوہر سے بگڑے گی اور اگر شوہر سے نہ بگڑی تو بچے ضرور بھیک مانگنے کے عادی ہو جائینگے یا ہلاک ہو جائینگے۔

بچے جب اپنی ضرورتوں کو مہیا نہ ہوتے دیکھینگے تو لامحالہ وہ بُری صحبتوں میں پڑینگے وہ ہر کس و ناکس کے پاس جائینگے۔ اُن کے اخلاق بگڑ جائینگے۔ وہ چور بھی بنینگے اور بدمعاش بھی اگر کسی قوم کے یتیم یہی پیشہ اختیار کرتے رہیں تو مطلب ہے کہ اُس قوم کا بڑا حصہ اخلاقی خوبیوں کو خیر باد کہکر جرائم پیشہ بن جائیگا اور قومی عزت کو بٹہ لگائیگا۔ یہ تمام نقصانات ایسے ہیں کہ قوم انکی تلافی کسی طرح نہیں کر سکتی۔ ان کا سد باب اگر ہو سکتا ہے تو اسی طرح کہ یتیموں کی مالی امداد کی جائے اسی وجہ سے اسلام نے جابجا یتیموں کی امداد کا حکم دیا ہے اور انکی امداد و اعانت کو ایمانداروں کا فعل بتایا ہے یا اُن کے ایمان کی علامت ٹھہرائی ہے۔

حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم فرماتے ہیں کہ:-

اَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيْمِ كَهَاتَيْنِ فِي الْجَنَّةِ وَاَشَارَ بِالسَّبَابَةِ وَالْوُسْطٰى

(بخاری شریف و مسلم شریف)

ترجمہ:- جو یتیموں کی کفالت کرتا ہے وہ بہشت میں مجھ سے یوں ملا ہوا ہے جیسے دو انگلیاں اور حضرت نے اپنے کلمے کی انگلی اور بیچ کی انگلی کی طرف اشارہ کیا۔ مطلب یہ کہ میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا دونوں جنت میں اکٹھے ہوں گے۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ فرمایا نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے :-

وَالَّذِیْ بَعَثَنِیْ بِالْحَقِّ لَا یُعَذِّبُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مَنْ رَحِمَ الْیَتِیْمَ وَلَانَ لَهٗ الْکَلَامَ وَرَحِمَ یُتْمَهٗ وَضُعْفَهٗ (ترغیب صفحہ ۱۰۴) ۔

ترجمہ :- قسم ہے اُس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے کہ نہ عذاب کریگا اللہ پاک قیامت کے دن اُس شخص پر جس نے رحم کیا یتیم پر اور نرمی سے اُسکے ساتھ کلام کیا اور اُس کی یتیمی اور لاچاری پر ترس کھایا۔

یتیموں کی امداد کرنا خود اپنی مدد ہے اور جن لوگوں نے اس راز کو سمجھ لیا ہے وہ اپنے اس فرض کی ادائگی سے کبھی غافل نہیں ہوتے۔ آجتک دنیا میں جسقدر متمدن قومیں ہوئیں اور ہیں اُنکی توجہ قوم کے یتیموں کی طرف خاص طور پر مبذول رہی ہے اور ہے۔ دیکھو اس وقت یورپ کی قومیں اپنے یتیم بچوں[1] کی کیسی مدد کرتی ہیں اور کیونکر اُنھیں اولاد کی طرح پالتی ہیں۔ کسی کو یہ بھی محسوس نہیں ہونے پاتا کہ وہ بے پدر اور بے وارث ہیں۔ اور پھر جب اُن کو معلوم ہوتا ہے کہ ہم یتیم ہیں۔ باپ ہم کو بچہ سا چھوڑکر مرگیا ہے۔ اور وہ دیکھتے ہیں کہ قوم نے اُن کے ساتھ کیا کیا کس طرح اُنھیں پالا۔ پڑھایا۔ لکھایا۔ علم فن سکھایا۔ روزی کمانے اور نام پیدا کرنے کے قابل بنایا اور کسی طرح اُن بچوں سے کم نہ رکھا جن کے سر پر اُن کے والدین موجود ہیں تو اُن کے دلوں میں وہ محبت قومی جوش زن ہوتی ہے کہ جسکا اندازہ لگانا مشکل ہوتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ہم کیا کچھ کریں کہ قوم یا محسنوں کے احسان کا بدلہ ادا کر سکیں۔ اور صرف اس خیال ہی پر اُن کے اس ولولہ کا خاتمہ نہیں ہوجاتا بلکہ عمر بھر وہ قوم کی خدمت کرتے ہیں اور جیسے خود پلے تھے۔ قومی یتیموں کو بھی اُسی طرح پالتے ہیں یا پالنے میں حصہ لیتے ہیں۔ اب اگر مسلمان غور کریں تو ان کو معلوم ہو سکتا ہے کہ قوم کو ان کی امداد و تربیت کی وجہ سے کس قدر

[1] یورپ میں ایسے یتیم بچے زیادہ ہوتے ہیں جنکے باپوں کا نام ہی کوئی نہیں جانتا مگر یہ اسکی بیداری اور زندگی کی دلیل ہے کہ وہ اپنے قومی مفاد کے لئے ان بچوں کی تربیت کر رہا ہے۔ ۱۲ منہ ۔

فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔

اوّل تو یہ کہ قوم میں کوئی جز معطل نہیں رہنے پاتا۔ ساری قوم باکار و ہنرمند ہوتی ہے اُن اخلاق رذیلہ کا اُن میں پتہ نہیں جو یتیموں کی عدم خبرگیری کی صورت میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور جس قوم میں کہ بد اخلاق اور بدکار اراذل نہوں وہ بالطبع عزت کی مستحق ہوتی ہے اور دنیا خود بخود اسکی عزت کرتی ہے اور حقیقت میں یتیم صرف وہی نہیں ہوتا کہ جسکا باپ مر جائے بلکہ علمائے راسخون فی العلم کے نزدیک (کہ جنکو حقیقی معرفت حاصل ہوتی ہے) اصل یتیم وہ ہے کہ جسکا عقل جیسا سرپرست اور اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ جیسا باپ مر جائے۔ چنانچہ سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا ارشاد ہے ؎

لَيْسَ الْيَتِيمُ الَّذِي قَدْ مَاتَ وَالِدُهُ ۔۔۔ إِنَّ الْيَتِيمَ يَتِيمُ الْعَقْلِ وَالْحَسَبِ

دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ قومی مشکلات و مصائب کے دفع کرنے کے لئے قوم میں ایسے لوگ موجود ہو جاتے ہیں جو اُن کو دفع کئے بغیر چین نہیں لیتے اور اپنی زندگی کو تلخ سمجھتے ہیں ایسے لوگوں کا وجود قوم میں ازبس ضروری ہوتا ہے۔ انہی لوگوں سے قوم کی مشین چلتی ہے اور ایسے لوگ یتیموں اور عاجزوں کی دستگیری اور اعانت کرتے کرتے ایک دن ایسے درجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ انھیں فنافی القوم کے مبارک نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہی لوگ حقیقی معنوں میں تہذیب اور تربیت یافتہ ہوتے ہیں۔ نامہذب ناتربیت یافتہ اور وحشی انسان کی خصوصیت یہی ہے کہ اُس کے ذاتی جذبات اُس پر حاکم ہوتے ہیں اور جسطرف اُن کو چاہتے ہیں لے جاتے ہیں۔ بخلاف مہذب اور تربیت یافتہ انسان کے کہ وہ ذاتی جذبات اور خواہشوں کو دبا کر اُن سے مخلوقِ خدا کو فائدہ پہنچاتا اور بڑے بڑے عمدہ نتائج پیدا کرتا ہے

مختصر یہ کہ یتیموں کی تربیت سے قوم سینکڑوں خرابیوں سے محفوظ اور بہترین قوم

؎ یعنی یتیم وہ نہیں ہے کہ جسکا باپ مر جائے بلکہ یتیم وہ ہے کہ جو عقل و اعمال صالح کے لحاظ سے یتیم ہو۔

پر قائم رہتی ہیں اور اسی لئے (جیسا کہ بار بار بیان کر دیا گیا ہے) اسلام نے یتیموں کی امداد و تربیت کی خاص تاکید فرمائی۔ مگر مسلمان ہیں کہ انہیں کچھ بھی پروا نہیں۔ مسلمانوں کے بچے بیشمار یتیم ہیں مگر کوئی اُن کا نگرانِ حال نہیں۔ وہ اپنی قسمت پر دن رات روتے ہیں اور دعائیں مانگتے ہیں کہ اے خدا زمین پھٹ جائے اور ہم اُس میں سما جائیں کیونکہ ہمارا کوئی خبر لینے والا نہیں۔ بڑے خوش نصیب ہوں گے وہ یتیم بچے جو اپنے کسی آسودہ حال رشتہ دار کے یہاں رکھ کر دھکے مکے اور طمانچے کھا کر جوں توں اپنی زندگی بسر کر رہے ہوں یا اُن کی تھوڑی بہت تربیت ہو رہی ہو۔ لیکن زیادہ تر تعداد انہی یتیموں کی ہے کہ جن کا کوئی رشتہ دار نہیں اور اگر ہے تو وہ اُن سے کوئی سروکار نہیں رکھتا اور جن کی زندگی وبالِ جان ہو رہی ہے۔ کیا یہی فرمانِ خداوندی کی تعمیل اور مسلمان ہونے کی نشانی اور اسلام کی پابندی ہے؟ جب قوم کے درماندہ اور سب سے زیادہ قابلِ رحم گروہ کی ہمارے تمہارے ہاتھوں یہ گت بن رہی ہو اور ہمارے تمہارے بچے دیکھ رہے ہوں کہ ہم ان فلک زدوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ اور وہ غریب بھی جانتے ہوں کہ اُن کے ساتھ کیا برتاؤ ہو رہا ہے تو پھر قومی درد آئندہ نسلوں کے دل میں کہاں سے پیدا ہو۔ کہاں سے قوم کے نام پر جیبیں خالی کر دینے والے اور اُس کی عزت پر مرنے والے پیدا ہوں اور کیوں نہ ہماری قوم کا افلاس روز بروز زیادہ ہو؟

خدائے تعالیٰ کی سنّتِ جاریہ ہے کہ قومیں اُسی وقت تک بااقبال و باعزت رہ سکتی ہیں کہ جمہورِ قوم اُن اخلاق و اعمال پر عامل رہے جو ذریعۂ مجد و شرف اور علّتِ عزت ہیں۔ مگر مسلمان ہیں کہ صرف تمنا پر جی رہے ہیں اور اعمال و اخلاق کی درستی سے کچھ سروکار نہیں رکھتے یہی وجہ ہے کہ نکبت ان کے سر پر چھائی ہوئی ہے۔ نہ دین ان کا درست رہا ہے نہ دنیا۔ خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخَاسِرُوْنَ۔

بجائے ازیں ہم مسلمان صرف اسلام کا نام ڈبونے والے اور اُسے بدنام کرنے والے ہیں۔ احساس و شعور کا مادّہ ہم سے سلب ہو چکا ہے۔ ہم بے رحم ہیں۔ قسی القلب ہیں کہ

ہمیں مظلوموں کے حال پر رحم نہیں آتا۔ مآل اندیشی سے ہم اس قدر دور جا پڑے ہیں کہ ہمیں یہ بھی نہیں سوجھتا کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں اُس سے کچھ اپنا ہی بگاڑ رہے ہیں۔ ہماری قوم کے سینکڑوں یتیم بچے ہماری اس غفلت شعاری و بے پروائی کی بدولت غیروں کے ہاتھ پڑ گئے اور نہ صرف ہماری قوم سے گئے بلکہ ہمارے دین و مذہب سے بھی گئے گذرے ہوئے۔ مگر ہم آج تک نہ پسیجے۔ آجکل کال پڑا ہوا ہے۔ ذرا سوچو تو بے یار و مددگار یتیموں کا کیا حال ہوگا۔ بتاؤ ہم نے ان کی دستگیری کا زمانہ کے دستور کے مطابق کیا انتظام کیا۔ انصاف سے کہو کہ بجائے خود تم نے کسی اُس پاس کے یتیم کی مدد کا بھی کوئی سامان کیا ہے؟ خدا کرے ہمارا گمان غلط ہو اور تم نے اپنی جگہ نہ صرف یتیموں کی پرورش کا بلکہ غریب رشتہ داروں۔ پاس پڑوس کے غریب مسلمانوں۔ بے زبان سائلوں کی امداد و اعانت کا بھی کافی بندوبست کر لیا ہو۔ اور نہ کیا ہو تو اب کر سکو۔ ورنہ اے بیدردو! یاد رکھو کہ اس کال میں تمھاری قوم کے ہزاروں یتیم بچے تم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جُدا ہو کر فریاد کناں خدا کی طرف کا راستہ لینگے اور بہت سے غیروں کے ہاتھ جا پڑینگے اور کسی اور مذہب کے پابند ہو جائینگے اور اسکا وبال تمھاری گردنوں پر رہے گا اور اس سب کا خمیازہ عاقبت میں تم کو بھگتنا پڑے گا۔

یتیم کے ساتھ مسکنت کی قید قرآنِ کریم نے نہیں لگائی۔ کیونکہ جہاں کہیں قرآنِ پاک میں یتیم کا لفظ آیا ہے اُس میں اس شرط کو کہیں نہیں بیان فرمایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یتیم بالذات مستحق عنایت و احسان ہے اگرچہ مسکین نہ ہو۔ پس قوم کے یتیموں کی خدمت و تربیت کرنا خواہ وہ امیر ہوں یا غریب اسلام میں داخلِ ایمان ہے۔ پس جو شخص اُنکی خدمت و تربیت کو اپنا فرض نہیں سمجھتا اُس سے کہدو کہ اگرچہ جامۂ انسانیت اُس نے پہنا ہے مگر انسانیت کا رتبہ ابھی اسے حاصل نہیں ہوا۔ اور اگر خدمت کے موقع اور محل کو نہیں جانتا اور بے موقع و محل خدمت کرتا ہے تو وہ اگرچہ خدمت کرتا اور انسانیت کا جامہ تو پہنتا ہے مگر عقلمند انسانوں کا نہیں۔ موقع اور محل کی پہچان ازحد ضروری و لازمی ہے۔

اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ مساکین سے مراد یہ ہے کہ گئے جو ان کمانے کھانے کے لائق بھیک منگے نہیں جنہوں نے بھیک مانگنے کو اپنا پیشہ بنا رکھا ہے۔ حالانکہ اگر وہ چاہیں تو گزر اوقات کے لائق کما سکتے ہیں بلکہ مسکین وہ ہے کہ جو قدر کفایت کو پیدا کرنے سے عاجز ولاچار ہو۔ بیشک اسلام نے بعض مقامات پر مساکین کے بعد سائلین کی امداد کا بھی حکم دیا ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ :-

وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ (پ ۲ - بقرہ - ع ۲۲)

ترجمہ :- (یہ بھی نیکوکاری ہے کہ) مال کی محبت کی حالت میں رشتہ داروں یتیموں مسکینوں مسافروں۔ مانگنے والوں اور غلاموں کے چھڑانے میں خرچ کرے۔

مطلب یہ کہ کوئی تم سے کچھ مانگنے آئے تمہارے آگے ہاتھ پھیلائے تو اسکو کچھ دیدو۔ محروم واپس نہ کرو۔ اسلام میں (جیسا کہ تفصیل سے بیان ہو چکا ہے سوال بدترین ذلت ہے اور سائلوں کی مذمت بہت کی گئی ہے۔ پس فقراء، مساکین اور سائلین کے ساتھ سچی ہمدردی یہ ہے کہ محتاج جسکے پاس ضرورت صحیحہ کے لئے کچھ نہو۔ مثلاً کسی کو ریل کا ٹکٹ لینا ہے مگر اتفاق سے اُس کے پاس چند پیسے کم ہیں اور وہ اسکے بغیر جہاں جانا چاہتا ہے جا نہیں سکتا یا ایسے نادار طلباء جو سکولوں اور کالجوں میں تعلیم جاری رکھنا چاہتے ہیں یا جو طالب علم دین سیکھنا چاہتے ہیں اُن کو اپنے اخراجات اور کتابوں اور دیگر سامان کی ضرورت ہے اور وہ شرم سے سوال نہیں کرتے انکو وظیفہ دو اور سرکاری سکولوں اور کالجوں اور دینی مدرسوں اور تعلیم گاہوں میں بھیجکر تعلیم دلواؤ تاکہ وہ قوم کیلئے مفید ہو سکیں۔ یا کوئی مسلمان کما تو سکتا ہو مگر اسکے پاس سامان نہو۔ مثلاً کوئی جلد ساز ہے اور وہ سب سامان نہیں رکھتا جس سے اپنی دوکان کھول سکے۔ اسکی مدد کیجائے۔ اور اگر کسی نے دست سوال دراز کیا ہے اور اس نے حیا کی پردہ دری کی ہے اور ضرورت نے اُسکے ہاتھ کو پھیلا دیا ہے اس لئے اسلام اس کو گو گناہ سمجھتا ہے اور اس کی اس حرکت سے سخت ناراض ہوتا

ہے لیکن پھر بھی ہمیں یہ حکم نہیں کہ ہم اُس کو ڈانٹ بتائیں اور محروم واپس کر دیں ہماری رحمت کا اقتضاء یہ ہونا چاہیئے کہ کچھ دے ہی دیں تاکہ اس وقت اس کی یہ ذلت دور ہو جائے۔

لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ سائل سے مراد یہ سائل نہیں جنھوں نے دریوزہ گری کو اپنا پیشہ بنا لیا ہے اور پیشہ بھی ایسا کہ نسلاً بعد نسل منتقل ہوتا چلا جاتا ہے۔ ان پیشہ ور فقیروں کو اگر قوتِ لایموت سے شوگنا بھی مل جائے تو صبر نہ آئے۔ اگلے زمانہ میں سائلین قوتِ لایموت حاصل کر کے اپنے ٹھکانے بیٹھ رہتے تھے۔ اس زمانہ میں یہ بہت مشکل ہے۔ آجکل سائلین بہت کچھ وصول کرتے ہیں اور پھر اُسے چانڈو خانہ، قہوہ خانہ و میخانے میں بے دریغ اُڑاتے ہیں۔ کلکتہ و بمبئی، لاہور و امرتسر، کوہاٹ و پشاور میں یہ نقشے بکثرت نظر آتے ہیں۔ ایسے سائلوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کرنا چاہیئے۔ میں اس کی نسبت یہی کہونگا کہ قوم اپنی عقل سے فیصلہ کرلے۔ مگر ہاں قرآن پاک کا ایک ارشاد ضرور گوش گزار کرنے کے قابل ہے جس سے آجکل کے مسلمان اکثر ناآشنا ہیں۔ اور وہ ارشادِ پاک اس قابل ہے کہ مسلمان اُس سے خاص سبق سیکھیں۔ خدائے تعالیٰ حکم فرماتا ہے کہ:-

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا (پ ۱۔ بقرہ۔ ع ۱۰)

ترجمہ:- والدین کے ساتھ اور قرابت داروں اور یتیموں۔ مسکینوں کے ساتھ احسان کرو۔ اور لوگوں سے اچھی بات کہو تاکہ تم اپنے فرائض سے بری ہو سکو۔

چونکہ از روئے فطرتِ بشری احساسِ قرابت تمام احساسات سے قوی اور رشتہ کے تمام صلات سے مضبوط تر ہے اسی لئے مذہبِ اسلام نے بھی اقربین کے حقوق کو سب کے حقوق پر مقدم رکھا اور پھر دوسرے قرابت داروں کے حقوق علیٰ قدر مراتب قرابت مقرر کئے۔ اہلِ قرابت کے حقوق کے بعد عامۃ الناس میں اہلِ حاجت کے حقوق کا ذکر کرتے ہوئے وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ

لنگڑے یتیموں اور مسکینوں کو تنگی وسختی ہوا در چونکہ یہ ممکن نہیں کہ آدمی سب آدمیوں کے ساتھ احسان کر سکے اِس لئے اس جزوِ آیت میں بھی اسلوبِ حکم بدل گیا۔ اور بجائے احسان کے حسنِ قول کا حکم ہوا۔ خلاصہ مطلب اِس آیۃ شریفہ کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ والدین اور اقرب اور قریب رشتہ داروں کے ساتھ علیٰ قدر مراتب احسان کرو۔ اور یتیم اور مسکین بھی چونکہ مستغنی عن الاحسان نہیں ہیں اُنکی بھی فرزندجان کر اعانت کرو کیونکہ اُنکی بھلائی خود تمھاری بھلائی اور ان کی تباہی خود تمھاری تباہی ہے۔ اپنا بگاڑ نہیں چاہتے تو انھیں بناؤ اور عام لوگوں کے ساتھ یا ان لوگوں کے ساتھ جنکو تم مستحقِ امداد نہیں سمجھتے جیسے آجکل کے اکثر سائلین ہیں حُسنِ قولی اختیار کرو یعنی یعنی اُن سے نرمی و شفقت سے کلام کرو۔ اور اگر تم اُن کو کچھ دینا مناسب نہیں سمجھتے تو میٹھی میٹھی باتوں سے اُن کو ٹالدو۔ درشت کلامی یا بدزبانی سے کام نہ لو۔ بلکہ میرے خیال میں تو حُسنِ قول سے مراد یہ ہے کہ سائلوں کو محبت و نرمی سے سوال کی بُرائیاں ذہن نشین کرکے اس بُرے پیشے سے اُن کو باز رکھنے کی سعی و کوشش کرو۔ ان کے آگے کسب و کمائی سے روزی حاصل کرنے کی خوبیاں بیان کرکے کسبِ حلال کی ترغیب دو۔ اور ظاہر ہے کہ اس پُرحکمت طریقہ پر عمل کرنے سے کس قدر جلد قوم کی حالت درست ہوسکتی اور رسمِ سوال کا سدِّباب ہوسکتا ہے۔

ایک دن ایک صحابی حضرت نبی کریم (صلی اللہ علیہ آلہ وسلم) کی خدمتِ اقدس میں بطور سائل کچھ مانگنے کے لئے حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے اُنکی حسبِ خواہش حاجت پوری کی اور ساتھ ہی اُن کو حکم دیا کہ آئندہ تم سوال کرنے سے پرہیز رکھا کرو کیونکہ سوال اسلام میں بہت بُری چیز ہے، بلکہ خود کمائی کرکے محتاجوں، مسکینوں، یتیموں کی خبرگیری کیا کرو۔" وہ صحابی فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے یہ حکم سُنا باوجود ضرورت کے پھر کسی سے کسی قسم کا سوال نہیں کیا۔ بلکہ اگر چابک بھی اتفاقاً کبھی میرے ہاتھ سے گر پڑا ہے اور وہاں لوگ چابک اٹھا کر دینے والے موجود ہیں تو بھی میرے نفس نے یہ گوارا نہیں کیا کہ کسی کو بطور سائل یہ کہہ دوں کہ یہ چابک مجھے پکڑا دینا تاکہ اتباعِ محبوب میں بال کے برابر بھی فرق نہ آجائے۔ گھوڑے سے خود اتر کر چابک لے لیا ہے مگر دوسرے سے نہیں کہا

کر جا بک الحماد و۔ (مسلم شریف)

ایک اور قسم کے سائل بھی آجکل پیدا ہو گئے ہیں۔ جن کو سائل کہنا بھی کسی حد تک معیوب ہے وہ درویشوں کا ایک گروہ ہے جو لاکھوں آدمیوں کے پیر ہونے کا مدعی ہے انہیں سے اکثر ایسے ہیں کہ وہ مانگنے ہی سے اپنا پیٹ پالتے ہیں۔ پیر ہو کر مریدوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے شرم نہیں کرتے۔ پھر طرفہ یہ کہ بعض اُن میں سے ہزاروں اور لاکھوں روپیوں کی جاگیریں بھی رکھتے ہیں اور ہزار ہا روپیہ فضول خرچی میں اُڑا دیتے ہیں۔ ان مقدس نفوس کی شان میں کچھ لکھنا گناہ عظیم سمجھا جاتا ہے اسلئے ایسے پیروں اور بزرگوں کو اتنا ہی سوچ لینا چاہیے کہ شریعت میں تو سوال کرنا صرف حرام ہے مگر طریقت میں کفر ہے۔ تمام پیران طریقت اور خواجگان (رحمتہ اللہ علیہم اجمعین) امیر دولت مند نہ تھے۔ اکثر کے پاس جائداد و جاگیر نہ تھی مگر اہل و عیال رکھتے تھے۔ طلبا و فقرا سب ہی طرح کے لوگ خانقاہوں میں رہتے تھے۔ فاقہ پر فاقہ بھی ہوتا تھا مگر کبھی اپنے کسی مرید و معتقد امیر و رئیس سے صراحتًہ یا اشارتًہ بھی کچھ نہیں طلب کرتے تھے اور کیوں کرتے ان کا مسلک تو یہ تھا کہ عام لوگوں کے لئے تو بلا ضرورت سوال کرنا حرام ہے اور درویش و متوکل کے لئے کفر ہے۔ "الیاس مما فی ایدی الناس" ان کا وظیفہ تھا اور وہ اس حدیث پاک کا مراقبہ کرتے تھے

اِذَا سَئَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰہَ وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰہِ (مشکوٰۃ شریف باب الصبر والتوکل)

ترجمہ: جب تو کچھ مانگے تو خدا ہی سے مانگ اور جب کسی سے مدد کی ضرورت ہو تو اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگ (اور واقعی خدائے تعالیٰ کے بغیر کوئی کسی کا نہ کچھ بنا سکتا ہے اور نہ بگاڑ سکتا ہے الا ماشاء اللہ)

ایک بزرگ نے اسی مضمون کو ان الفاظ کو کس خوبی سے بیان فرمایا ہے ۵

---

۵ صوفی وہ ہوتا ہے کہ جو کچھ لوگوں کے ہاتھوں میں ہے اُس سے ناامید سا ہو جائے ۱۲ منہ

حاجت تو از عطا طلبی بار دار شود　　با بیر تو ز خست ما روز جزا شود

در پیش غیر دست کشادی پئے دعا　　مشرک شوی و ہم عمل تو ہبا شود

اِن حضرات کو اللہ تعالیٰ پر پورا بھروسہ تھا اور وہ اپنے ہر ایک کام میں خدا پہ توکل کرتے تھے یہ لوگ مردانِ خدا تھے۔ دنیاوی دولت کو اُس کی بُرائیوں کی وجہ سے اُنھوں نے چھوڑا تھا اور اب مسلمانوں کی بُرائیوں اور خرابیوں کی وجہ سے دولت نے ان کو چھوڑ دیا۔ اور مسلمان مانگ کر دولت کمانے کو فخر و عزّت سمجھنے لگے ہیں۔ مال و دولت جسے ذلیل سمجھ کر چھوڑ دے وہی ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْکَنَةُ کا مصداق ہے۔ جو ہم سب مسلمانوں کا حال ہو گیا ہے۔ کاش مسلمان اپنے اسلاف کے کارناموں کو غور سے دیکھیں اور اُن سے مفید کچھ سبق سیکھ کر اپنے آپ کو اور اسلام کو بدنام کرنے سے باز آئیں۔

ایک صحابی کے حال میں لکھا ہے کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا عمر (رضی اللہ عنہما) دونوں صاحبان اپنی خلافتِ راشدہ کے زمانہ میں اس صحابیؓ کی خدمت میں ان کا وظیفہ اور مالِ غنیمت میں سے حصّہ بارہا پیش کرتے رہے باوجودیکہ وہ مسکین تھے مگر اُنھوں نے قبول نہیں کیا۔ اور کہا کرتے کہ میرے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مجھکو سوال کرنے سے منع فرما کر اپنے ہاتھ سے کمائی کر کے کھانے کا حکم دیا ہے۔ بلکہ جسقدر یہ دونوں حضرات حصّہ دینے میں اصرار کرتے اُسی قدر وہ انکار میں ترقی کرتے تھے۔ یہ حالت تھی سچے درویشوں اور سچے صوفیوں کی یا اصلی مسلمانوں اور حقیقی مؤمنوں کی۔ خدائے تعالیٰ کی لاکھ لاکھ رحمتیں اُن پر نثار ہوں مسلمانوں کے لیے سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ اُن کے راہِ راست پر لانے والے، اُن کے ہادی و رہنما یعنی قوم کے لیڈر اور علما و مشائخ خواہ وہ نیو فیشن ہوں یا اولڈ فیشن جوش و محبت اسلامی اور خلوص و ایثار سے خالی ہیں۔ پھر جاں فروشی کی کس سے اُمید ہو سکتی ہے۔ اور اصلاح کی توقع کس سے کی جا سکتی ہے جب اُن کے اپنے اعمال میں کوئی خاص تبدیلی اور جوش نہیں تو قوم میں کہاں سے پیدا ہو؟

قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں میں سچا قومی جوش تھا اور قوم کے لیڈر عادل و شجاع، زاہد و فاضل، متورع، پابندِ شرع تھے۔ آجکل معاملہ برعکس ہے۔ اسی لئے بار بار کہنا پڑتا ہے کہ جب تک قومی لیڈر خود اسلامی اصول کی پابندی نہیں کرینگے اور منافقانہ پالیسی کو نہ چھوڑیں گے مسلمان ہرگز ہرگز حقیقی ترقی کا منہ نہیں دیکھ سکتے۔

اسلام ہر ایک امر میں میانہ روی سکھاتا ہے اور یہ ایک ایسا زرّین اصول ہے جسکہ اسپر حیات و ممات قومی کا دار و مدار ہے۔ شادی و غمی میں، کھانے میں پینے میں، سونے میں جاگنے میں، رفتار میں گفتار میں، لباس و اطوار میں، عادات و خصائل میں، غرضیکہ انسانی زندگی کے ہر ایک ضروری پہلو میں میانہ روی کا اہتمام کرنا اسلام کی تعلیم کا اصلی منشاء ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے "ایک آدمی جس نے کھانا ترک کر دیا اور دوسرا آدمی جس نے چند لذت دار لقمے لیکر طعام سے ہاتھ کھینچ لیا۔ ان دونوں میں سے دوسرا پہلے سے بہتر ہے اسلئے کہ یہ دوسرا طریق نفس پر بہت ہی شاق گزرتا ہے۔ اس مضمون کو حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں ادا فرمایا ہے ؎

نہ چنداں بخور کز دہانت بر آید   نہ چنداں کہ از ضعف جانت بر آید

مختصر یہ کہ اسلام کسی حالت میں قوانینِ الٰہیہ سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں دیتا۔ وہ میانہ روی کی تعلیم دیتا ہے۔ خدا کے راستہ میں مال صرف کرنے کو قومی و تمدنی ترقی کا باعث قرار دیتا ہے دستِ سوال دراز کرنے سے منع کرتا ہے۔ اپنے ہاتھ سے کسبِ حلال کرکے کھانے کا حکم دیتا ہے حضرت نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) بہانتک صدقات کھانے سے پرہیز کرتے تھے کہ ایک دفعہ ایک سفر میں جبکہ آپ کو سخت بھوک لگ رہی تھی۔ حضرت انس رضؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ کو راستہ میں ایک چھوہارا پڑا ہوا ملا۔ آپ نے فرمایا کہ "اگر اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ یہ صدقہ کا ہوگا تو میں اسے کھا لیتا" (بخاری شریف) پس ایسے نبی اکرم، ایسے رسولِ معظم، ایسے ہادیٔ کامل و اکمل کے متبع اگر اب بھی نہ سمجھیں اور دنیا میں کسبِ حلال سے نفرت کرکے مانگ کھانے

کو شریعت سمجھیں تو مسلمانوں کی اپنی بدبختی ہے ورنہ سچے ہادی نے تو کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

زکوٰۃ کا دوسرا مصرف

مساکین کے بعد زکوٰۃ کا دوسرا مصرف قرآن پاک نے یہ فرمایا ہے وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا یعنی اُن لوگوں کے لئے جو عام مستطیع مسلمانوں سے زکوٰۃ جمع کرتے اور بیت المال میں پہنچاتے ہیں زکوٰۃ کا یہ مصرف بھی بالکل عقل و حکمت پر مبنی ہے۔ شہر کے انتظام کے لئے ایسے مال کا ہونا ضروری ہے جس پر محافظین و مدبرین اور حکام کی معاش کا مدار ہو اور چونکہ اثنائے تحصیل زکوٰۃ میں تحصیلدار زکوٰۃ اپنے کسب سے معذور ہو جاتے تھے اور اسی کام میں مشغول رہنے کی وجہ سے وہ کچھ روزگار نہیں کر سکتے تھے اور مسکینوں کے زمرہ میں آ جاتے تھے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ ان کی معاش اسی شہر سے حاصل کی جائے اور خاص خاص لوگ اُن کے خرچ کے بسہولت متکفل نہیں ہو سکتے تھے اسلئے بھی ضرور تھا کہ اسی مالِ زکوٰۃ سے ان کو بھی حصہ دیا جائے۔ چونکہ اس سے زیادہ سہل تر مصلحت کے موافق کوئی طریقہ نہ تھا کہ ایک مصلحت کو دوسری مصلحت کے ساتھ شامل کر دیا جائے۔ اسی لیے شارع علیہ السلام نے ایک کو دوسری میں داخل کر دیا۔

قوم پر ایک ایسا وقت بھی آتا ہے کہ جبکہ وہ قوم کتاب اللہ کی تحریف کرتی اور بذریعہ تاویل احکام الٰہی سے اپنے آپ کو خارج کرتی ہے ایسی حالت میں اُس قوم کے لوگ جو نہ کتاب کا علم رکھتے ہیں اور نہ احکام شریعت سے آگاہی اور سوائے دور از قیاس تیدوں اور تمناؤں کے اُنکے پاس کچھ نہیں ہوتا۔ عقل و برہان سے انہیں سروکار نہیں رہتا اور اپنے من گھڑت مسائل کو وہ تمام جہان کے اعلیٰ اصولوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس قسم کی خام خیالی اور خود پسندی ضعف و انحطاط کے وقت ہر قوم میں آ جاتی ہے اور جو مسخ شدہ شریعت اُن کے ہاتھ میں اس وقت ہوتی ہے وہ اسی پر فخر کرتے رہتے ہیں اور اپنے اسلاف پر اترایا کرتے ہیں۔

یہی حال آجکل کے مسلمانوں کا ہے۔ شریعت کی اصلی صورت کو بگاڑ کر اور اسکے حکیمانہ اصولوں میں ردّ و بدل اور ترمیم و تنسیخ کو روا رکھکر اِتراتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہمارا اسلام ترقی کرنیوالا ہے۔ مگر یہ دعویٰ اُسی حالت میں قابلِ تسلیم ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کے اندر وہ اعلیٰ اصول موجود ہوں کہ جن پر عمل پیرا ہونے سے کوئی قوم دنیا میں زندہ اور مہذب اور ترقی یافتہ کہلا سکتی ہے۔ یہ حکیمانہ اصول گو قرآن پاک میں موجود ہیں مگر مسلمانوں کی قسمت کہ وہ ان سے کچھ سروکار ہی نہیں رکھتے۔

قرآن کریم کے مقرر کردہ اس دوسرے مصرف وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا سے وہ پاک اور زرّین اصول صاف معلوم ہو رہا ہے جسکے لئے کسی تاویل کی ضرورت نہیں، کسی زیادہ غور و فکر کرنے کی حاجت نہیں۔ حکم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ ایک جگہ جمع کیجائے اور اسکے جمع کرنے والے بھی مقرر ہوں اور پھر فقراء و مساکین میں تقسیم ہو۔ اور دیگر کاموں میں لگائی جائے۔ مسلمان خدا کیلئے غور کریں اور بتائیں کہ کیا یورپ آج طریقۂ خیرات میں اس اصول کا پابند نہیں ہے؟ اور کیا وہ خود اسکے خلاف نہیں کر رہے ہیں؟

خیرات تو ہر ایک مذہب میں مستحسن ہے اور کم و بیش ہر ایک مذہب اسکی ترغیب دیتا ہے مگر یہ شرف اسلام ہی کے حصّہ میں آیا کہ فطرتِ انسان کو زیرِ نظر رکھتے ہوئے خیرات کو زکوٰۃ کی صورت میں لازم قرار دیا تاکہ محتاجوں اور مسکینوں کی عملاً دستگیری ہو سکے۔ اور خیرات ایک بہترین صورت اختیار کر کے قوم کیلئے مفید ہو سکے اور اسکے لئے لازمی قرار دیا کہ وہ بیت المال ایک جگہ جمع ہو اور اسکے جمع کرنیوالے مقرر ہوں اور وہاں سے تمام مساکین و فقراء کی حاجت برآری اور قومی کاموں کی اعانت کی جائے۔

اسلامی نقطۂ خیال سے کل ہندوستان ورنہ صوبہ کیلئے امینوں کی ایک متدین جماعت مقرر ہونی چاہئے جو زکوٰۃ کا صحیح استعمال کرے۔ اور اس جماعت کی زیر ایکٹ ۱۸۶۰ء رجسٹری ہونی چاہیئے تاکہ زکوٰۃ کی آمدنی سے مسلمانوں کی زیر نگرانی مستحق فقراء و مساکین اور طلباء و علماء کی امداد

باقاعدہ اور بحکل امداد ہو سکے۔ ماناکہ اسلامی بیت المال نہ ہونے کی وجہ سے یہ التزام بجا
کل ملک کیلئے نہیں ہو سکتا۔ اور ایسا کرنا دقت سے خالی نہیں۔ لیکن کیا شہر شہر اور قصبہ قصبہ
محتاط لوگوں کی زیر نگرانی مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا بیت المال نہیں کھولا جا سکتا ہے۔ اور اگر
مسلمان ان کاموں کو نہیں کر سکتے کہ جنکے کرنے کا ان کو دنیا کے خالق و مالک نے حکم دیا ہے۔ تو وہ
دنیا میں زندہ رہنے کے قابل نہیں اور اگر رہینگے تو زندوں کی طرح نہیں بلکہ مُردوں کی طرح۔
اور ظاہر ہے کہ ایسی زندگی سے مَوت بہتر ہے۔

مندرجۂ بالا مضمون سے ایک اور عمدہ نکتہ بھی استنباط ہوتا ہے کہ زکوٰۃ فرض ہو اور دیگر صدقات وخیرات جن سے غربا و مساکین کی اعانت متصور ہو نفل ہیں۔ جب خدا تعالیٰ خیرات فرض کر کے خرچ میں یہ اہتمام لازم فرماتا ہے۔ کہ پہلے یکجا جمع کیجائے۔ تو باقی صدقات وخیرات میں بھی اس طریقہ کا التزام اگر واجب نہیں تو بہتر ضرور ہے۔ کیونکہ جیسے صرف زکوٰۃ میں یہ احتمال ہے کہ ممکن ہے کہ غیر مستحقوں کو دیدیجائے۔ اسی طرح سے صدقات وخیرات میں بھی یہ احتمال ہو سکتا ہے خصوصًا ایسے زمانہ میں جبکہ مشٹنڈوں نے گداگری کو اپنا شیوہ بنالیا ہے۔

زکوٰۃ کا تیسرا مصرف

زکوٰۃ کے مصارف میں عاملین علیہا کے بعد تیسرا مصرف وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ تالیفِ قلوب میں مال خرچ کرنا ہے۔ یعنی جو لوگ صداقت اسلام کے قائل ہوں اور نورِ ایمان اُن کے دلوں پر اپنی روشن شعاعیں ڈال رہا ہو۔ مسلمان اُنکی بھی مدد کریں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص اپنی قوم میں سے قومی کیش و ملت کو چھوڑ کر دوسرا دین ومذہب اختیار کرتا ہے تو اکراہ ونفرت کے باعث اسکے اقارب و ہمقوم اُس سے سابقہ تعلقات قائم نہیں رکھتے بلکہ قطع کر دیتے ہیں۔ اگر ماں باپ زندہ ہیں تو وہ ارث سے محروم ہو جاتا ہے اور جہاں تک ہو سکتا ہے عزیز و اقارب اُس کو واپس اپنے میں ملانے کے لئے طرح طرح کے حیلوں بہانوں سے

خاص اسکی چیزوں پر بھی قابض ہو جاتے ہیں۔ ہر طرح سے اُسے ڈراتے دھمکاتے اور اندا و پر آمادہ کرتے ہیں۔ اُس کے تمام دوست و آشنا اُس سے متنفر ہی نہیں بلکہ اُسکے دشمن ہو جاتے ہیں۔ ایسے حالات میں اگر تالیفِ قلوب کیجائے تو ایسے شخص پر مضبوط اور ثابت قدم رہنا سہل ہو جاتا ہے۔ اسی لئے اسلام نے ایسے لوگوں کی امداد فرض کی۔ اس مد کو بعض علماء نے غلطی سے اُڑا دیا ہے۔ حالانکہ یہ بہت ضروری ہے۔

تالیفِ قلوب کے اصول سے اسلام کا یہی منشا ہے کہ قبل اسکے کہ نومسلم ایمان لائیں اور مسلمانوں میں شامل ہوں۔ مسلمان مالِ زکوٰۃ سے اُن کے ساتھ ایسا سلوک کریں کہ اُن کو یہ محسوس نہ ہو کہ ہم تعلقات نافعہ کو چھوڑ کر ایسے لوگوں میں آتے ہیں کہ جن سے نہ رشتہ ہے اور نہ پہلے سے کوئی تعلق ہے۔ بلکہ انھیں یہ معلوم ہو کہ اگر اسلام لانے سے ہمارے سابقہ تعلقات پہلی قوم سے ٹوٹتے ہیں تو دوسری قوم میں ان کا نعم البدل موجود ہے نسبی بھائیوں کی امداد سے محروم ہوتے ہیں تو دینی بھائی ضرورت و احتیاج کے وقت مدد کرنے کو تیار ہیں۔ ایک سوسائٹی چھوٹتی ہے تو دوسری بنی بنائی ملتی ہے۔ چند دشمن ہوتے ہیں تو انکے عوض صدہا سچے دوست بنتے ہیں۔

تالیفِ قلوب کتنا اعلیٰ اور مفید اصول ہے۔ جسکو ہم نے آجکل ترک کر رکھا ہے۔ مگر جس موتی کو ہم نے پتھر جان کر ہاتھ سے پھینکدیا ہے۔ اوروں نے اُسے پہچان کر اٹھالیا ہے۔ اور اُس سے خاطر خواہ فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔ اس تالیفِ قلوب کے نتائج دیکھنے ہوں تو مشنریوں کے کارناموں پر نظر کرنی چاہئے کہ وہ اس سے کس قدر کام لے رہے ہیں اور ان کے مذہب کی کیونکر روز بروز اشاعت وسیع ہوتی جاتی ہے۔

عیسائی دنیا کی طرف سے بیشمار مشن قائم ہیں۔ اور ہر ایک مشن تالیفِ قلوب کی مد میں کروڑوں روپیہ صرف کر رہا ہے۔ جہاں وعظ و پند یا عیسائی تعلیم و تلقین کا کسی دل میں ذرا سا اثر ہوا۔ اور مشن سے اُسکو وظیفہ ملنے لگا۔ یہ احسان و امداد دیکھکر مائل بہ عیسائیت کے دل میں جو اندیشے اپنی قدیم سوسائٹی کے چھوڑنے کی وجہ سے پیدا ہوتے تھے وہ بھی رفتہ رفتہ کمزور ہوتے گئے

بیتا جبکہ اصطباغ کی نوبت آگئی اور وہ کھلم کھلا عیسائی ہوگیا۔ پھر بھی مشن اور مشنریوں کی توجہ اس کے حال پر مبذول رہتی ہے۔ اور نئی سوسائٹی میں مناسب عزت سے اُسکی آؤ بھگت ہوتی ہے بہر نفس اس کی امداد واعانت کے لئے تیار رہتا ہے اور نئی صحبت کا اُس پر رنگ چڑھتے چڑھتے چند ہی دنوں میں اُس کی حالت بدل جاتی ہے۔ اور وہ دل سے عیسائیت کو حق سمجھنے لگتا ہے۔

یہی عیسائی مشن کی کامیابی کا راز ہے۔ اگرچہ بعض پادری اخلاقی کمزوری سے بھی کام لیتے ہیں۔ اور چوری چھپے نادان عورتوں کو نکال لے جاتے ہیں لیکن ایسے واقعات مقابلۃً کم پیش آتے ہیں۔ گو تالیف قلوب توسیع دین کا ایک بہت بڑا اصول ہے اور جس قدر رعایت اس اصول کی عیسائی کرتے ہیں وہ کسی اور سے مشکل ہے۔ تاہم ان کو کوئی خاطر خواہ کامیابی نصیب نہیں ہوتی اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ عیسائی مذہب خود کوئی خاص خوبی نہیں رکھتا۔ یہ شرف صرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ وہ ایک عالمگیر مذہب ہے۔ جسے ہر قوم و ملت کا آدمی بلا تکلف قبول کر سکتا ہے۔ نیچر کا یہی منشا ہے کہ انسان اسلام ہی کیلئے پیدا ہوا ہے۔ اور اسلام انسان کی بہتری کے لئے آیا ہے۔ اسلام کوئی نیا مذہب نہیں بلکہ ابتدائے تخلیق عالم سے یہ مذہب جاری ہے اور جاری رہیگا۔ مذہب اسلام کے فطری مذہب ہونے پر انسانی عقل ہمیشہ ساتھ دیتی رہی ہے۔ اسلام کا ہر ایک مسئلہ سائنس کی کسوٹی پر کَس لیا گیا ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اسلام ایک فطری مذہب ہے اور دنیا کے تمام مذہبوں سے زیادہ اس قابل ہے کہ اس کو عام آدمی قبول کر سکیں۔ قرآن مجید دوسری قوموں کو مذہب اسلام میں داخل کرنے اور اُن کو یکساں پولٹیکل اور سوشیل حقوق دینے پر نہایت فیاضی سے آمادہ ہے۔ اسلام کی برادری میں داخل ہونا لوگوں کے لئے بلند سے بلند درجہ تک پہنچنے کے لئے ایک پاسپورٹ ہے۔ ہندوؤں میں برہمنوں، چھتریوں، ویشوں اور شودروں کے یکساں حقوق نہیں ہیں ان میں کوئی شخص عبادت نہیں کر سکتا جب تک کہ ایک پنڈت موجود نہ ہو یعنی خدا تک

پہنچنے کے لئے بھی ان میں سے ہر ایک کو اپنے سے اعلیٰ شخص کی مدد کی ضرورت ہے۔ شودر کے کانوں میں اگر ویدوں کی آواز پہنچے تو شاستروں کا حکم ہے کہ اسکے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے مگر اسلام میں یہ پابندی مطلق نہیں ہے۔ ہر ایک شخص آزاد ہے۔ جس قدر وہ ترقی کر سکتا ہے کرے مگر کوئی اُسے روک نہیں سکتا۔

عیسائیوں کا بھی یہی حال ہے۔ جب تک کوئی شخص پادری کے سامنے توبہ نہ کرے اور پادری اُس کی مغفرت کا وعدہ نہ کرلے۔ اُس کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ مردوں اور عورتوں کے حقوق میں مساوات بھی ان مذہبوں میں نہیں ہے۔ اس بات کو بہت عرصہ نہیں گزرا کہ عیسائی بھی ہندوؤں کی طرح عورتوں کو ذلت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ان میں ایک دفعہ اس مسئلہ پر بحث ہوئی تھی کہ عورتوں میں روح ہے یا نہیں۔ فیصلہ یہ ہوا کہ روح تو ہے مگر وہ مردوں کی غلامی کے لئے بنائی گئی ہیں۔ یورپ میں چند روز سے پہلے یہ دستور بھی تھا کہ شادی ہوتے ہی بیوی کی جائداد خاوند کے قبضے میں چلی جاتی تھی۔

برخلاف اس کے اسلام میں سب کے حقوق۔ سب کے اختیارات یکساں ہیں۔ ایک کو دوسرے پر کوئی برتری بجز نیکی اور پرہیزگاری کے نہیں ہے۔ یہاں ایک کی توبہ دوسرے کے ذریعہ سے قبول نہیں ہوتی۔ اسلام نے صاف اعلان کیا ہے کہ مردوں اور عورتوں کے حقوق یکساں ہیں اور باوجود میاں بیوی ہونے کے بھی جو مرد کمائیں وہ مردوں کا۔ جو عورتیں کمائیں وہ اُن کا مال ہے اسلام حکم دیتا ہے کہ جو خود کھاؤ وہی اپنے غلاموں کو کھلاؤ۔ غلاموں کے ساتھ عمدہ برتاؤ کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ادنیٰ حالت سے نکلکر امارت و حکومت کے رُتبے پر پہنچ گئے۔

جب کوئی شخص مذہب اسلام قبول کرتا ہے خواہ وہ کسی قوم اور ملک کا ہو اُسکو فوراً یہی حقوق مل جاتے ہیں۔ جو سب مسلمانوں کو ملے ہوئے ہیں۔ مختصر یہ کہ اسلام ایک سچائی ہے۔ ایک صداقت ہے۔ ایک دین حق ہے۔ اس کو اپنی صداقت کے ثبوت کے لئے کسی کی تائید یا مدد کی ضرورت نہیں۔ وہ خود ثبوت ہے۔ وہ خود دلیل ہے۔ اور اس کے مطالعہ کے بعد

مطالب جنگ کے لئے ان کو کچھ باعث اعتراض کی نہیں رہتی۔ تاہم وہ تھے اسلام خصوصاً عرب تالیف قلوب کی خاص خصوصیت میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ وہ اپنے زمانے کے امراؤ اہل دول حتیٰ کہ غریب و ادنیٰ طبقہ تک کے لوگوں کی تالیف قلوب کا حد سے زیادہ اہتمام کرتے تھے۔ گو اُن کے ہاتھ زبردست تھے اور وہ تمام خصوصیتیں رکھتے تھے کہ جو ایک فاتح اور کشورکشا قوم کے لئے ضروری ہوتی ہیں لیکن محض تلوار کے بھروسہ پر کوئی شخص خواہ کسی قدر بہادر ہو تسخیر عالم کا بیڑا نہیں اُٹھا سکتا اور نہ تلوار سے ہر ایک مشکل کو حل کر سکتا ہے۔ فاتحانِ اسلام نے ضرور تلوار سے بھی کام لیا مگر اس موقع پر جہاں تلوار کی ضرورت تھی۔ مدعیانِ ملک و سلطنت کا فیصلہ بغیر تلوار نہیں ہو سکتا لیکن اور جگہ عموماً سردارانِ قوم اور ایسے لوگوں کے ساتھ جن کے دلوں میں اسلام کی طرف رغبت دیکھی خاطر داری اور اُلفت و محبت، احسان و مروّت سے کام لیا۔ اور تالیف قلوب اور رعایا پروری کے اصول کی نگہداشت جس طرح مسلمانوں خصوصاً عربوں نے کی کسی قوم نے نہیں کی۔ اور اُن عالمگیر فتوحات کا باعث جو چند سال میں ایشیا، یورپ اور افریقہ میں حاصل ہوئیں۔ یہی رعیت پر شفقت اور تالیف قلوب کی برکت تھی۔ عربوں نے جس ملک کو فتح کیا۔ سوا مقررہ خراج کے اور کسی قسم کا بوجھ رعایا پر نہیں رکھا۔ مذہبی آزادی کے علاوہ رعایا کے وسائل آمدنی، زراعت و تجارت، حرفت و صنعت کو کسی قسم کا نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ جملہ اسباب تموّل رعایا کے ہاتھ میں رہتے تھے۔ جو عہد کیا جاتا یا اعلان دیا جاتا تھا۔ اُس میں سرِ مو انحراف نہ ہوتا۔ اس قسم کی عام شاہانہ رعایتوں کی وجہ سے لوگ اسلام کی طرف مائل ہو جاتے۔ یا اسلام قبول کر لیتے تو اُن کی تالیف قلوب مالِ زکوٰۃ سے بھی کی جاتی۔

جب تک مسلمانوں میں یہ اصول قائم رہا لوگ جوق جوق دائرۂ اسلام میں داخل ہوتے رہے مگر اب مسلمان اس کی طرف سے بالکل غافل ہیں۔ یہاں تک کہ جو زکوٰۃ دیتے بھی ہیں وہ بھی زکوٰۃ کو فقراء و مساکین میں ہی خرچ کر دیتے ہیں اور صرف انہی کو مستحق زکوٰۃ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اگر فرداً فرداً بھی زکوٰۃ دی جائے تب بھی مصارف ہشتگانہ اُس کے مصرف ہیں۔ اسلامی بیت المال

اگر ہوتا۔ تو امین بیت المال کا فرض تھا کہ حصہ مستحق اور بقدر ضرورت واحتیاج ہر مصرف میں زکوٰۃ کی تھوڑی تھوڑی رقم صرف کرتا۔ آجکل مسلمان فرداً فرداً زکوٰۃ دیتے ہیں۔ وہ خود امین بیت المال کا حکم رکھتے ہیں۔ اس لئے ان کا فرض ہے کہ پانچوں مصارف میں زکوٰۃ کو صرف کریں۔ جہاں مسکینوں کو دیتے ہیں تالیف قلوب میں بھی خرچ کریں۔ اور دیگر مستحقین خیرات کے حق میں بھی چونکہ ایسا نہیں کیا جاتا۔ اس لئے بہت سے اسلامی مصالح خراب ہوتے ہیں۔ اسی تالیف قلوب کو لو چونکہ مسلمانوں کی طرف سے اس مد میں کچھ خرچ نہیں کیا جاتا۔ اس لئے بہت سے اسلام کو حق ماننے والے داخل اسلام نہیں ہوتے۔ اور جو ہوتے ہیں وہ ایک طرف اپنی قوم اور سابقہ تعلق والوں کی بدسلوکی سے ایذا اٹھاتے ہیں۔ اور دوسری طرف مسلمانوں کا عدم سلوک ان کے دل پر اثر ڈالتا ہے اور بجائے اسکے کہ وہ مسلمانوں میں نیک نمونہ بنیں ایک بدترین مثال قائم کرتے ہیں بھیک مانگنا شروع کر دیتے ہیں۔ نہایت ذلت اور خواری سے گزر اوقات کرنے لگتے ہیں اور دوسرے مائل باسلام لوگ ان اسلام لانے والوں کی یہ حالت دیکھ کر اپنے ضمیر کے خلاف کام کرنے ہونے پر مجبور ہوتے ہیں اور یوں اسلام کی توسیع رک جاتی ہے۔

صدیوں سے متواتر مسیحی مشنریوں کے اعتراضات اسلام اور بانیٔ اسلام پر چلے آتے ہیں۔ علمائے اسلام نے بھی ان کے ہر ایک اعتراض کا پورا پورا قلع قمع کیا ہے۔ مگر یہ لوگ ہیں کہ آئے دن کچھ نہ کچھ زہر اگلتے رہتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو تحقیق حق سے کچھ غرض نہیں۔ کیونکہ اسلام کی خوبیوں پر غور نہ کرنا اور ضد پر اڑے رہنا کسی صداقت پسند طبیعت کا کام نہیں ہوتا۔ وہ اگر اسی اصول تالیف قلوب پر غور کریں جو اُنھوں نے اسلام سے لیا ہوا ہے جس کی بدولت تبلیغی کوششوں میں ان کو کسی قدر کامیابی ہوئی ہے تو انھیں معلوم ہو سکتا ہے کہ اسلام کس قدر سچا مذہب ہے۔

عیسائیوں کو جس قدر کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ وہ صرف اسی تالیف قلوب اور روپیہ کے بے دریغ صرف کرنے سے ہوئی ہے مسلمان اس بات کو خوب جانتے ہیں چنانچہ ہم جب

کسی کے عیسائی ہونے کی خبر سنتے ہیں تو بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ اجی صاحب یہ شخص [illegible] لئے عیسائی ہوا ہے۔ پادریوں نے کوئی تسلی سرکادی ہوگی۔ یہ نہیں جانتے کہ تالیف قلوب کا عمل کام کر رہا ہے۔ مسلمانوں کو بھی خدا نے یہ عمل بتا دیا ہے۔ مگر وہ کریں بھی۔ بلکہ ان کو خبر بھی نہیں۔ جو اسے جانتے ہیں اور اس سے کام لیتے ہیں۔ فائدہ اُٹھاتے ہیں اور ان کا مذہب اشاعت پاتا ہے۔ عیسائی ہونے سے پہلے جن لوگوں کی تالیف قلوب کیجاتی ہے وہ عیسائی ہو جاتے ہیں اور اصطباغ کے بعد جو ان کی مدد کیجاتی ہے اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بہت جلد اپنی حالت بدل لیتے ہیں۔ اس کے ثبوت کے لئے دور کیوں جاؤ ہندوستان میں ہی دیکھ لو کہ عیسائیت نے زیادہ تر ادنےٰ طبقات میں اپنا اثر ڈالا ہے۔ جو ہندوستانی آبادی کا بالکل کوڑا تھے۔ نہ جن میں علم تھا اور نہ کوئی عمدہ بات۔ لیکن عیسائیت کے قبول کرتے ہی اُنکی حالت نے پلٹا کھایا۔ اور وہ آج اگر اعلیٰ سوسائٹی میں نہیں شمار کئے جاتے تو ادنیٰ سوسائٹی سے سینکڑوں میل آگے ضرور پائے جاتے ہیں۔ اور ترقی کا میدان اُن کے آگے کھلا ہوا ہے۔ چونکہ متمدن قوم کا مذہب اختیار کیا ہے اس لئے اُن کا تمدن بھی روز بروز بہتر ہوتا جاتا ہے جہالت علم سے۔ بے ہنری ہنر سے بدلتی جاتی ہے۔ اور یورپ کے تمدن کو خاطر خواہ رونق ہوتی جاتی ہے۔ دیکھ لو تالیف قلوب بھی متمدن قومیں کرتی ہیں اور اس سے اُن کے تمدن کو وسعت ہوتی ہے۔ مسلمان تہذیب و تمدن سے بیگانہ ہوئے۔ تالیف قلوب کا زریں اصول بھی ان کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ اور اس اصول کے چھوڑنے سے اُن کے تمدن کو بھی ایک ناقابل تلافی دھچکا لگا۔

اگرچہ دنیا میں مسلمانوں کا شمار بہت ہے۔ لیکن اسلام کے اوصاف کو مسلمانی کا معیار بنا کر دیکھا جائے تو یقیناً مسلمان کم نکلیں گے اور مدعیانِ اسلام عموماً انہی امراض میں مبتلا ملیں گے جن کے ازالہ کے لئے اسلام آیا تھا۔ حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود نہیں کہ کتاب اللہ کی صحیح تعلیم دیکر مسلمانوں کو راہِ راست دکھائیں۔ اور اپنی توجہ باطنی [illegible]

افاضۂ برکات سے تزکیہ فرمائیں۔ مگر جانشین رسولؐ علمائے اُمت ہوجنھیں "علماء اُمتی کانبیاء بنی اسرائیل"۔ وہی ان مریضوں کے چارہ گر و طبیب ہیں جن کا فرض ہے کہ کتاب اللہ کی تعلیم و تلقین فرمائیں۔ اُس کے اسرار و حقائق سے لوگوں کو باخبر بنائیں۔ اُمت کو روحانی اور مادی رذائل سے پاک و صاف کریں۔ اور اسلام کے نورانی چہرہ کو بدعات کے گرد وغبار سے پاک و صاف کرکے اسلام کی حقیقت کا ڈنکا بجائیں۔ مگر علمائے اسلام اپنے فرض سے بہت غافل ہیں (الا ماشاء اللہ) جس کی وجہ سے مسلمان حقیقت سے بہت دور جارہے ہیں اور دن بدن قعر ذلت میں گرتے جاتے ہیں۔

نام کو صوفی عالم کہلانے والوں کا تو ذکر کیا ہے۔ واقعی عالم اور صوفی بھی جو اپنے ذاتی علم و عمل کے لحاظ سے عالم کہے جانے کے مستحق ہیں۔ ان میں بھی ایسے بافیض بزرگوار کم ہیں جو رسولؐ کی جانشینی کا مذکورۂ بالا فرض جیسا کہ چاہئے ادا کرتے ہوں۔ ورنہ علی العموم عزلت پسند ہیں۔ ان کی بلا سے اسلام رہے یا جائے۔ اور کہتے ہیں کہ اگر کسی کو دین کی کوئی بات پوچھنی یا تزکیۂ باطن کرانا منظور ہوگا۔ وہ آپ ہمارے قدموں میں حاضر ہوکر پوچھ جا۔ مانا کہ شرعاً نہ جاننے والے کا فرض ہے کہ وہ دین کی بات جاننے والے سے پوچھے۔ مگر جب جہالت و نادانی کا یہ حال ہو کہ نادانوں کو اتنی بھی خبر نہ ہو کہ جاننے والوں سے پوچھنا اُن کا فرض ہے۔ اور اسپر بیگانے مخالفینِ اسلام کی جان توڑ کوششیں انہیں گمراہ کرنے میں لگ رہی ہوں تو کیا علماء اور صوفیاء کا فرض نہیں ہے کہ پہلے وہ افرادِ اُمت کو اتنا باخبر کردیں کہ وہ اپنے اس فرض کو جانیں کہ انھیں پوچھنا چاہئے۔

یہ فرض علماء اور صلحاء کا محض عالم و صالح کی بنا پر ہے۔ ورنہ جانشینِ رسولؐ ہونے کی حیثیت سے ان کا فرض ہونا چاہئے کہ وہ خود ڈھونڈیں اور قوم کو متنبہ کئے جائیں۔ اسلام کے ابتدائی عہد میں پہلے مسلمانوں کا یہی حال تھا کہ ادھر اسلام لائے اُدھر وعظ و تلقین شروع کردی۔ نادانوں کے حال پر ترس آنے لگا۔ اور جی کڑھنے لگا۔ اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی

[illegible] سے اسلام کی اشاعت میں بہت کچھ مدد ملی ہو

اگرچہ اس زمانہ میں مسلمانوں کی جہالت اور فرض ناشناسی یا عدم واقفیت کی وجہ سے یعنی تبلیغ اسلام اور تالیف قلوب کا باب بالکل مسدود ہو رہا ہے۔ نہ تو مسلمانوں کو اس طرف توجہ ہے اور نہ اسلامی سلطنتیں ہی اس فرض اہم پر توجہ کرتی ہیں تاہم دنیا میں اسلام جس سرعت کے ساتھ بغیر واعیانِ اسلام کے پھیل رہا ہے وہ آپ ہی اپنی نظیر ہے۔ اور یہ خدا کا خاص فضل و احسان ہے کہ یورپ کے مشنری بارہا پکار چکے ہیں کہ اسلام خطرناک سرعت کے ساتھ بڑھ رہا ہے اور جہاں عیسائیت کو ذرا بھی واسطہ پڑا ہے وہیں عیسائیت کی اشاعت میں وہ سدِ سدید ثابت ہوا ہے۔ ہم ہر چند زور لگاتے ہیں مگر ہماری کوشش رائگاں جاتی ہے اور اسلام بغیر کسی واعظ و معلم کے خود بخود لوگوں کے دلوں میں جگہ کرتا چلا جاتا ہے۔ ان واقعات و شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں لوگوں کو جاہل سے جاہل سے ہوں یا فلسفی سے فلسفی اپنی طرف کھینچنے کی زبردست طاقت ہے۔ اور یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ تبدیل مذہب کا خیال آنے پر لوگوں کے دلوں میں دنیاوی تعلقات کے منقطع ہونے کے اندیشوں کا جو ہجوم ہوتا ہے وہ کم از کم ۹۰ فیصدی کو اختیارِ حق سے باز رکھتا ہے۔ اور کمزور انسان کو اپنی طبیعت کا مغلوب ہونا پڑتا ہے۔ اس لئے موجودہ حالت میں جو لوگ مسلمان ہوتے ہیں اور جن کو ہم اور تم بنظر حیرت و استعجاب کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ وہ پانچ فی صدی سے زیادہ نہیں ہوتے۔ اب خیال کرو کہ اسلام کی طرف میلان رکھنے والے ۹۵ فی صدی بھی مسلمان ہوا کریں تو پھر اشاعت اسلام کی رفتار کتنی سریع ہو سکتی ہے۔ اور اس سے اسلام اور مسلمانوں کو کتنے قومی و تمدنی فائدے حاصل ہو سکتے ہیں جو موجودہ حالت میں تالیفِ قلوب پر عمل نہ کرنے سے ضائع ہو رہے ہیں۔ یہی نہیں ہماری غفلت سے صدہا بلکہ ہزاروں نو مسلم بھی ہم سے جدا ہو چکے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جب سے سچے علماء اور سچے صوفیا نے وعظ و تلقین سے کنارہ کیا ہے اور عام مسلمانوں نے تالیفِ قلوب کو فضول سمجھ کر چھوڑ دیا ہے اسی وقت سے مسلمانوں کی

حالت بگڑی اور اشاعت اسلام کی رفتار سست ہو گئی ہے۔ بلکہ وہ دین و دنیا سے بیکار ہو
گئے ہیں۔ اس وقت چاروں طرف سے ہمارے پیارے اسلام اور جان سے پیارے اسلام
اور حضور بانیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ پاک پر نہایت ناپاک اور قابلِ شرم حملے
کیے جا رہے ہیں۔ مخالفینِ اسلام ہاتھ دھو دھو کر اسلام کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ اور
ہر وقت یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ حضرات علماء و صلحاء نے جو دولت سینکڑوں برس کی
محنت سے اسلام کے خزانہ میں جمع کی ہے اسکو لوٹ کر لیجائیں۔ چنانچہ یہ کوشش اب ہر طرف شب و
روز جاری ہے کہ جس طرح ہو مسلمانوں کو صراطِ مستقیم سے بہکا کر گمراہ کیا جائے۔ جسکے لیے
مخالفینِ اسلام کے رسالے اور آرگن انکی سوسائٹیاں اور سماجیں بڑی اَن تھک کوشش سے
کام کر رہی ہیں۔ اور مسلمان خوابِ خرگوش میں پڑے خراٹے لے رہے ہیں۔ انکی بلا سے اسلام
رہے یا جائے۔ وہ ایسے مدہوش اور بدمستی میں غرق ہیں کہ انہیں خبر تک نہیں کہ ہمارے بزرگوں
نے جو دولت سینکڑوں برس کی اَن تھک کوشش اور محنت سے اسلام کے خزانے میں جمع کی
تھی۔ آج غیر اُسکو لوٹ رہے ہیں اور مسلمانوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو اسلام کے میدان
کا مرد ہو اور اس گولہ باری میں جو اسلام پر ہو رہی ہے سینہ سپر ہو کر اس کی حفاظت کے لئے
میدان میں نکلے۔ "ھل من مبارز" کہکر مخالفوں کو اسلام کی حقیقت اور حقانیت کے
علمی اور عملی ثبوت کا چیلنج دے۔ یہ کس قدر شرم کا مقام ہے اور مسلمانوں کے لئے ڈوب
مرنے کی جگہ ہے۔ کہ آج یہ دلخراش آواز سننے میں آتی ہے کہ فلاں جگہ اتنے مسلمان عیسائی ہو گئے
اور اتنے نو مسلم یا اچھوتوں کی شدھی ہوئی۔ اور اتنے نو مسلموں کی آؤ رہو گی۔ ایک سچے دل
کا مسلمان جب ان وحشت انگیز خبروں کو سنتا ہے تو اُس کا کلیجہ مُنہ کو آتا ہے اُس کے رونگٹے
کھڑے ہو جاتے ہیں اور اُس کے درد بھرے دل سے یہ صدا نکلتی ہے ؎

فریاد ہے اے کشتیٔ اُمت کے نگہباں — بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے

پس جس قدر لوگ پابندِ مذہب و خدا ترس دولتمند آجکل نکالتے ہیں اگر صرف اسی کا ایک حصہ کسی

خاص انتظام سے تالیف قلوب کی مد میں صرف کیا جائے تو اسکا ابھی دنیا کی غیر مسلم قوموں پر خاص اثر ہو سکتا ہے۔ اگرچہ اشاعت تو قع نہ ہوگا جو اشاعت اسلام کے دیگر وسائل پر ساتھ ساتھ عمل درآمد کرنے سے ہو سکتا ہے۔ ابھی ہندوستان میں لاکھوں غیر مسلم ایسے موجود ہیں کہ اسلام کی طرف میلان رکھتے ہیں لیکن یہ دیکھکر کہ سابقہ تعلقات قطع کرنے پر مسلمان اُن کے سنبھالنے کو تیار نہیں ہیں ضمیر کشی کر رہے ہیں۔ اگرچہ وہ خود بھی خدا کے نزدیک اِس کمزوری کے جوابدہ ہیں لیکن ہم مسلمان بھی اپنی طرف سے فروگذاشت کرنے پر مواخذہ سے نہیں چھوٹ سکتے۔

کیا اچھا ہو کہ مسلمانانِ ہندوستان اگر ممالک غیر میں نہیں تو ہندوستان ہی میں اشاعت اسلام کا خاص اہتمام ادارے انتظام کریں اور بعد وعظ و پند جن لوگوں کو مائل باسلام پائیں زکوٰۃ کی رقم والمؤلفۃ قلوبھم سے اُن کی مدد کریں لیکن ساتھ ہی اس کے جب تک کہ اس رقم کو ایک یا چند جگہ باقاعدہ جمع ہو کر محتاط ہاتھوں سے صرف کئے جانے کا معقول انتظام نہ ہو کوشش منفردہ کوئی اچھا نتیجہ نہیں پیدا کر سکتی۔ خدا کرے کہ مسلمان اس ضرورت کا احساس کر کے اس کا بندوبست کرنے میں ساعی و کوشاں ہوں۔ ع

بانگ زد کردیم اگر در دہ کس است

زکوٰۃ کا چوتھا مصرف

گردنوں کا آزاد کرنا اسلام نے زکوٰۃ کے مصارف میں رکھا ہے۔ وَفِی الرِّقَابِ یعنی قیدیوں کو دشمنوں کی قید سے اور مسلمان غلاموں کو غیر مسلم مالکوں کی غلامی سے فدیہ دیکر چھڑانا۔ کوئی مذہب سوائے اسلام کے ایسا نہیں جس نے غلاموں کی آزادی کے لئے باضابطہ طور پر ایک حصہ رکھا ہو۔ جس طرح مساکین کا لفظ عام ہے اسی طرح رقاب کا لفظ بھی عام ہی ہونا چاہیئے۔ یعنی مسلمان غلاموں کو آزاد کرنا کرانا اور اُن لوگوں کو تکالیف سے چھڑانا جو غلام کے حکم میں ہیں۔ مثلاً مسلمان قیدی جن کو دشمنوں نے قید کر لیا ہو اور وہ مقروض جو

قرض خواہوں کے ہاتھ میں گرفتار رہیں اور ان کے ساتھ غلاموں کا سا سلوک کیا جاتا ہو اور غیر مسلم غلاموں کو بھی رہا کرنا کرانا اگر اس میں داخل کر لیا جائے خصوصاً ایسی حالت میں کہ وہ ناانصاف مالکوں کے ہاتھ میں ایذائیں اٹھا رہے ہوں اور ان کے آزاد ہو جانے کی صورت میں مسلمانوں کو کسی قسم کے ضرر کا بھی احتمال نہ ہو یا خود حصول ثواب مقصود ہو تو کچھ حرج نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ اس حکم میں ہر وہ غلام کہ جو دشمنوں کی قید میں ہو فدیہ دیکر اس کا رہا کرانا داخل ہے۔ بلکہ حکم ہے کہ مسلمانوں کے بچے جن کو جہالت و تاریکی نے اپنا غلام بنا لیا ہے ان کو بھی تعلیم کے ذریعہ سے آزاد کراؤ اور یہ پوری آزادی انھیں حاصل نہیں ہو سکتی جب تک انکی تعلیم کا انتظام خود مسلمان نہ کریں۔ جب تک اسلامی یونیورسٹی قائم نہ ہو۔ یہ سب آزادیاں داخل فی الرقاب ہیں۔

زکوٰۃ کا پانچواں مصرف

اسلام نے زکوٰۃ کا پانچواں مصرف والغارمین قرار دیا ہے یعنی مسلمانوں میں جو لوگ قرضدار ہونے کی وجہ سے پریشان ہوں کہ ایک طرف بارِ قرض ان کی کمر توڑے ڈالتا ہے۔ اور دوسری طرف نفقہ ضروریہ کا فکر تنگ کرتا ہو تو ایسے مقروضوں کی مالی مدد کرنا بھی اسلامی زکوٰۃ کے مصارف میں داخل ہے۔ اس حد تک کہ مقروض بارِ قرض سے سبکدوش ہو کر نفقۂ ضروریہ پیدا کرنے کے قابل ہو جائے۔ الغارمین سے وہ قرضدار مراد نہیں ہیں جنھوں نے قرض کی مصیبت خود اپنے ہاتھوں مول لی ہے اور عیش و عشرت، نام و نمود اور فضول مراسم میں روپیہ اڑا کر قرضدار ہو گئے ہیں۔ بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جن پر کوئی ناگہانی مالی مصیبت پڑی ہو۔ یا کسی وجہ سے نفقۂ ضروریہ کمانے سے معذور ہو گئے ہوں۔ مثلاً کوئی عضو بیکار ہو گیا۔ مال چوری گیا۔ تجارت میں دیوالہ نکل گیا۔ کوئی تاوان بھرنا پڑا۔ علیٰ ہذا القیاس الغارمین میں صرف ایسے ہی قرضداروں کی امداد کا حکم ہے۔ کیونکہ ایک اسلام کا سچا پیرو جو اسراف و تبذیر کو فعل شیطانی جانتا کرتا ہے کوسوں بھاگتا ہے۔ کبھی قرض کی مصیبت میں مبتلا نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید

میں خدائے تعالیٰ نے مبذرین کو اخوان الشیاطین فرمایا ہے اور جا بجا کفایت شعاری و مآل اندیشی سے زندگی بسر کرنے اور سوچ سمجھکر چلنے کی ہدایت کی ہے۔ عیش و عشرت نام و نمود اور فضول رسومات میں روپیہ اڑانے کی سخت ممانعت فرمائی ہے۔ بیکاری، کاہلی اور دنیا ترک کرکے گھر میں بیٹھ جانے کی مذمت کی ہے۔ ان احکام کی موجودگی میں جو لوگ ہاتھ پاؤں نہیں ہلاتے۔ محنت و مشقت نہیں کرتے۔ مآل اندیشی کو بالائے طاق رکھکر اندھا دھند روپیہ اڑاتے ہیں چادر دیکھ کر پاؤں نہیں پھیلاتے۔ آمدنی سے چوگنا خرچ کرتے ہیں۔ سنہیات و خرجیہ میں اپنی گاڑھی کمائی کو ضائع کر دیتے ہیں۔ وہ اگر قرضدار ہوتے ہیں تو اپنے کرتوتوں کے خمیازہ میں اس لئے انہیں اسلامی زکوٰۃ سے فائدہ اٹھانے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اسلامی زکوٰۃ کے مستحق صرف وہ مصیبت زدہ مقروض ہیں جو نفقۂ ضروریہ حاصل کرنے سے معذور و لاچار ہیں۔ جو محنت و مشقت کرکے کماتے ہیں۔ مگر کنبہ کی پرورش نہیں کر سکتے۔ یا جو غریب کسی ناگہانی آفت میں مبتلا ہوکر قرضدار ہو گئے ہیں تو ایسے حالات میں بر بنائے فقر و مسکنت قوم پر ان کی مدد کرنا فرض ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ایسے قرضداروں کا نہ صرف قرض ہی ادا کریں بلکہ ایسے وسائل بہم پہنچائیں کہ وہ نفقۂ ضروریہ بسہولت پیدا کر سکیں اور آئندہ قرض کی مصیبت میں مبتلا نہوں اگر قرض مسلمانوں کا ہے اور وہ معاف کرنے کی حیثیت رکھتے ہیں تو معاف کردیں کہ اس کا اجر ان کو خدا تعالیٰ کے یہاں ملیگا۔ اور اگر اتنی حیثیت نہیں رکھتے یا معاف نہیں کرتے تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ مال زکوٰۃ میں سے ایسے لوگوں کی امداد کریں تاکہ ان کو قرض کی مصیبت و ذلت سے نجات ملے اور قرضخواہوں کو عدم وصول قرضہ کی وجہ سے نقصان نہ پہنچے۔ اس طریقہ سے زکوٰۃ قوم کے دونوں نقصانوں کو مٹا دیگی اور چند اشخاص کے قرضہ کا بار قوم پر بٹ جانے کی وجہ سے کسی کو معلوم تک نہ ہوگا۔ مگر آجکل عام طور پر مسلمانوں کے قرضدار ہونے کی یہ وجہ نہیں ہے کہ وہ کسب معیشت سے معذور ہیں اور ان کی کمائی ان کے کنبہ کی پرورش کے لئے ناکافی ثابت ہوتی ہے بلکہ یہ وجہ ہے کہ وہ مال کی قدر نہیں کرتے

مسرف و فضول خرچ ہیں۔ عیش و عشرت، نام و نمود، عیاشی، شراب خواری، مذموم مراسم، تن پروری، پتنگ بازی، بٹیر بازی اور مرغبازی وغیرہ میں روپیہ ضائع کرتے ہیں۔ عاقبت بینی اور مآل اندیشی سے کام نہیں لیتے۔ دوسروں کی روٹیوں پر گزارہ کرتے ہیں۔ خود ہاتھ پاؤں نہیں ہلاتے۔ ایک کماتا ہے دس کھانے والے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور اس طرح دن پر دن قرض کے بوجھ میں دبتے چلے جاتے ہیں۔ ایسے مقروض مسلمان ہرگز مد زکوٰۃ سے حصہ پانے کا حق نہیں رکھتے۔ کیونکہ زکوٰۃ انسانوں کے لئے ہے اور وہ انسانیت سے گزر کر شیطنت کی حدود میں داخل ہو گئے ہیں۔

اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ۔ ترجمہ بے شک فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں۔

البتہ یہ لوگ فضول خرچی کی تباہ کن عادت کو ترک کر دیں محنت و مشقت کر کے روزی کمانے لگیں۔ اور اس پر بھی اپنے کثیر کنبہ کی پرورش نہ کر سکیں تب البتہ وہ عام مسلمانوں کے مال سے متمتع ہونے کے مستحق ہو سکیں گے۔ اور استحقاق کے ثابت کرنے کے بعد مد زکوٰۃ سے اپنا حصہ پا سکیں گے ورنہ نہیں۔

جو لوگ قرضدار ہونے سے قبل خوب کماتے تھے جن کا کاروبار عمدہ طور پر چل رہا تھا اُنکی آمدنی نہ صرف اُن کی ضرورتوں کے لئے کافی تھی بلکہ وہ اس کی وجہ سے متمول کہے جاتے تھے اور زکوٰۃ و خیرات سے اپنے دوسرے بھائیوں کی مدد کرتے تھے۔ یکایک ان کا دوالہ نکل گیا۔ یا کسی معاملہ میں ان کو سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ اور وہ اِس قدر مقروض ہو گئے کہ کسی طرح اپنے قرضہ کو نہیں ادا کر سکتے۔ ایسے لوگوں کی مدد کرنا بھی قوم کا فرض ہے۔ کیونکہ جب وہ اپنے تموّل کے زمانہ میں اپنے نادار بھائیوں کی امداد کرتے تھے۔ تو اب کہ وہ مقروض و محتاج ہیں متموّل مسلمانوں کی زکوٰۃ سے مدد حاصل کرنے کا بہت کچھ استحقاق رکھتے ہیں علی ہذا جو لوگ نہ پہلے دولتمند تھے اور نہ مسکین بلکہ باوجود خرچ کرنے میں محتاط ہونے کے اپنی آمدنی سے کچھ پس انداز

نہیں کر سکتے تھے لیکن اب کاروبار کے بند یا اس میں نقصان ہو جانے کی وجہ سے قرضدار ہو گئے ہیں اور محنت و مشقت اور سعی و کوشش سے اتنا بھی نہیں کما سکتے جو نفقہ ضروریہ کیلئے کافی ہو۔ ایسے مقروض بھی مسکین و فقیر کے حکم میں داخل ہیں اور انہی اسباب سے جو فقرا و مساکین کے حق میں بیان ہو چکے ہیں۔ مدِ زکوٰۃ سے مستحق امداد ہیں اور مصلحت قوم و ملت بھی اسی میں ہے کہ ان کی امداد کی جائے۔ اور اس ننگ و عار کو روکا جائے جو ان کی بدولت قوم و ملت کو ہوتا ہے۔ کیونکہ افراد ہی کی عزت سے قوم و ملک کی عزت ہے اور افراد ہی کا ننگ و عار قوم و ملت کے ننگ و عار کا موجب ہے۔

زکوٰۃ کا یہ پانچواں مصرف بھی تقریباً ہم مسلمانوں سے بالکل چھوٹ گیا ہے۔ تارکانِ زکوٰۃ کا تو ذکر ہی کیا ہے جو لوگ زکوٰۃ دیتے اور اس دینی فرض کو خندہ پیشانی سے بجا لاتے ہیں۔ افسوس کہ وہ بھی اس ضروری اور اہم مصرف کا خیال نہیں کرتے۔ الا ماشاء اللہ۔

یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کو تجارت کی طرف بہت کم توجہ ہے وہ دِوالہ نکلنے کے اندیشے سے بڑی بڑی تجارتوں میں سرمایہ لگاتے ہوئے جھجکتے ہیں کہ کہیں تھوڑی بہت پونجی بھی ہاتھ سے نہ جاتی رہے اور مقروض و محتاج ہو کر زندگی نہ گزارنی پڑے۔ چنانچہ کئی عالی حوصلہ مسلمان اس وقت ایسے موجود ہیں جن کا لاکھوں روپے کا کاروبار چل رہا تھا جن کی ذات سے ہزاروں مساکین و فقرا کی پرورش ہو رہی تھی۔ مگر وہ آج نانِ شبینہ کو محتاج ہیں۔ اور اگر حکومت کی طرف سے دیوالیہ نہ قرار دیے جاتے تو قرضخواہوں کی زیادتی سے کبھی کے خودکشی کر چکے ہوتے۔ مگر کسی خدا ترس متمول مسلمان کو ان کے حال پر رحم نہیں آتا کہ وہ ان کا قرض ادا کرنا تو درکنار ان کے لئے اسبابِ معیشت ہی ان کی حیثیت و ضرورت کے لائق فراہم کر دے۔ اگر آج زکوٰۃ باقاعدہ طور پر بیت المال میں جمع ہوتی اور اس کے تمام مصارف کا پورا پورا خیال رکھا جاتا تو ایسے افسوسناک واقعات کیوں پیش آتے۔ مگر مسلمان ہیں کہ ان کو اس کا احساس تک نہیں کہ زکوٰۃ کن مصالح قومی و ملی کو مدِ نظر رکھکر ان پر فرض کی گئی تھی۔ ایک طرف تو زکوٰۃ ادا کرنے والوں کی غفلت و

[illegible] اس کے حقیقی مصارف سے بے خبری اور دوسری طرف غیر مستحق لوگوں کی حرص

اور محنت کے مال پر بے رحمی کا ہاتھ دراز کرنے والوں کی زیادتی۔ انہی دو مفسدوں نے زکوٰۃ

و صدقات کے حقیقی فوائد و مصالح کو معدوم و مفقود کر رکھا ہے اور قوم کی اقتصادی حالت

روز بروز نہایت نازک اور خطرناک ہوتی جاتی ہے۔ اگر زکوٰۃ دینے والے اسکے صحیح مصارف

سے واقف ہو جائیں اور ان کے ذہن میں یہ بات جم جائے کہ جو زکوٰۃ غیر مستحقین کو دیجاتی ہے

اس کا ادا ہونا نہ ہونا برابر ہے اور دوسری طرف غیر مستحق مفت خور زکوٰۃ کا مال قبول کرنے

میں شرم و ندامت محسوس کرنے لگیں تو بہت جلد ہماری قوم کی مالی حالت سدھر سکتی ہے

اور زکوٰۃ کے مسلمانوں پر فرض کرنے میں جو فوائد و مصالح مدِنظر رکھے گئے تھے۔ وہ سب

نہایت آسانی سے حاصل ہو سکتے ہیں۔

جب تک مسلمانوں کے اقبال کا ستارہ چمکتا رہا اُس وقت تک وہ اپنے دینی فرائض

کو بھی خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے اور افراط و تفریط سے بچکر خدا اور رسول کے احکام

پر خلوص نیت سے عمل کرتے رہے۔ نہ ان میں آجکل کے خوش عقیدہ اور متواضع لوگوں کی سی

فیاضی تھی کہ جو سائل ان کے دروازہ پر آیا بلا لحاظ اس امر کے کہ آیا فی الواقع وہ مستحق بھی ہے یا نہیں

فوراً ہی اسکے سوال کو پورا کر دیا۔ اور نہ ایسی خست تھی کہ ہر غریب و مستحق شخص کے فقر و مسکنت کو

خواہ مخواہ اسکی نالائقی پر محمول کر کے اس کی امداد و اعانت سے گریز کیا۔ جیسا کہ آجکل بعض ملکی

اقوام کا شیوہ و وطیرہ ہے۔ الغرض وہ اپنے ہر ایک کام میں مسلک اعتدال کو ملحوظ رکھتے تھے

اور اسی وجہ سے اسلامی برکات سے پورے طور پر مستفید ہوتے تھے۔

حیف ہے ہم مسلمانوں پر کہ ہم زکوٰۃ جیسے مہتم بالشان اور پُر منفعت فرض سے بھی

قومی ترقی میں مدد نہیں لیتے۔ اور ایسے بیش بہا جوہر کو اس بُری طرح برباد کر رہے ہیں کیا یہ

افسوس کی بات نہیں ہے کہ ہم اپنے آپ کو مسلمان کہلوائیں اور اسلام کی حقیقی تعلیم سے محض

ناآشنا و بیخبر رہیں اور دوسروں کو طعنہ زنی کا موقع دیں؟

مسلمانو! غلط اصول ہیں اٹھو۔ دیکھو یورپ و امریکہ کی متمدن عیسائی قومیں جنکا نہ ہی غرض مذہب سے فائدہ اٹھا رہی ہیں۔ تمہاری ہی شریعت کے انجینیر کی مدد سے ترقی کی سڑکیں بنا رہی ہیں۔ تمہارے ہی دینی اصول پر عامل ہو کر اپنا اقتدار و اعتبار قائم کر رہی ہیں مگر تم خواب غفلت میں ایسے مدہوش ہو کہ ان حقائق کا احساس ہونا تو کجا الٹا اپنے اسلام کو بدنام کرتے ہو کہ وہ دنیاوی اور تمدنی ترقی کا منافی ہے۔ کاش تم زکوٰۃ کے اس پہلو یعنی مصرف مقادمین پر ہی غور کرو اور یورپ کے خیراتی دستور العمل کا اس حکیمانہ اسلامی اصول سے موازنہ کرو۔ تمھیں ظاہر ہو جائیگا کہ ترقی یافتہ یورپ۔ مہذب یورپ۔ متمدن یورپ نے اپنی خیرات و صدقات کے مصارف کی فہرست اسلامی تعلیم ہی کو سامنے رکھکر بنائی ہے چنانچہ روزمرہ خبریں سننے میں آ رہی ہیں کہ فلاں ساہوکار کا دیوالہ نکل گیا۔ اس کی امداد و اعانت کے لئے چندہ ہو رہا ہے۔ ہم پیشہ اور دولتمند دریا دلی سے کام لے رہے ہیں فلاں کمپنی بیٹھ گئی۔ حصہ داروں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے مگر اہل ہمت پھر بھی درپئے تدارک ہیں اتنی رقم جمع ہو گئی ہے اور ہوتی جاتی ہے۔ اگر پورے خسارے کی رقم جمع نہ ہو سکی تب بھی بہت کچھ ہو جائیگی۔ اور کمپنی اپنے کاروبار چلانے کے قابل بن جائیگی۔

اس قسم کی امداد میں کون حصہ لیتے ہیں؟ وہی جو دولتمند ہوتے ہیں۔ زکوٰۃ کیا ہے؟ وہ بھی دولتمندوں کا ایک مقررہ سالانہ چندہ ہے جو بطریق حفظ ماتقدم اچانک پیش آجانیوالی اور ناگزیر حاجتوں کے لئے جمع اور مصارف ضروریہ مفیدہ میں خرچ ہوتا ہے۔ متمدن یورپ نے علم دحقائق شناسی کی بدولت جان لیا کہ قوم کے جو افراد پراگندہ حال ہوں یا بدحال ہو جائیں۔ اُن کی امداد کا کیا نتیجہ ہے۔ اس لیے وہ مدد کرتا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ فارغ البال ہے اور اس کے کاروبار کا دروازہ وسیع ہے۔ فقر و فلاکت کا نسبتہً کم اثر ہوتا ہے اور تقریباً قوم مساوی الحال پائی جاتی ہے۔ ہم مسلمان اپنی بدنصیبی سے جہالت کی بدولت قرآن مجید کے اس حکم مؤکد کو بھی بھول گئے ہیں اور مقروضوں کی امداد کو اپنا فرض ہی نہیں سمجھتے۔ اسی لئے

قوم میں فلاکت کا سکہ جما ہوا ہے۔ ایک طرف وہ تمدنوں کے آہنی صندوقوں میں لدے ہیں مقفل ہے اور دوسری طرف مسکنت اور فلاکت پیش آجانے والی اور خساروں کے مارے ہوئے لوگ اسفل السافلین میں گرتے اور قوم کو ناقابل تلافی نقصان پہنچاتے چلے جاتے ہیں حتیٰ کہ اس خصوص میں ہم ہندوؤں سے بھی بہت گرے ہوئے ہیں نہ ہم میں اپنے مقروض بھائیوں کو معاف کرنے کی ہمت ہے اور نہ زکوٰۃ سے ان کو بارِ قرض سے سبکدوش کرنے کی صلاحیت۔ برخلاف اسکے ہندو فراخ حوصلگی اور ہمت و حکمت سے کام لیتے ہیں جہاں اُن کی قوم میں سے کسی کا دیوالہ نکلا قرضخواہوں نے قرض چھوڑ دیا اور دوسروں نے دیوالیہ کی دستگیری کی اور قابل کاروبار بنا دیا۔ وہ نہیں تو اس کے بیٹے، اُس کے بھائی بھتیجے پھر اُسی کام کے لے بیٹھے۔ اور چند ہی روز میں خود دوسروں کی مدد کرنے کے قابل ہوگئے اگر کوئی فقر و مسکنت میں مبتلا ہوجاتا ہے اُسکی مدد کرتے ہیں۔ اسی مدد میں قوم کی فلاح و تمول کا راز چھپا ہے کیونکہ جو زرِ افرادِ قوم کی بھلائیوں میں متموّل خرچ کرتے ہیں وہ ضائع نہیں ہوجاتا۔ بلکہ اُس کا دوچند قوم میں آجاتا ہے اور پھر پھر اکر خیرات سے زیادہ محنتوں کو ملجاتا ہے۔

اسی ہندوستان کو لو۔ ہم مسلمان مسلمانوں کی مالی بدحالی کو روتے رہتے ہیں اور ہندوؤں کی قومی آسودگی پر رشک کھاتے ہیں۔ مگر ہم کیوں تباہ ہیں؟ اوّل اسراف سے۔ دوسرے اس لئے کہ متموّل ادنیٰ طبقہ کی جو کاروباری ہوسکتا ہے دستگیری نہیں کرتے۔ اور خود کاموں سے کنارہ کرتے ہیں۔ اس طرح پر جو لوگ کاروبار اور اس سے فائدہ اٹھانے کی اہلیت رکھتے ہیں وہ بھی ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں اور روز بروز قومی فلاکت بڑھتی جاتی ہے۔ برخلاف اسکے اوّل تو ہندوؤں میں اسراف نہیں اور پھر متموّل خود کاروبار میں مصروف رہنے کے لئے کاروبار کی اہلیت رکھنے والوں کی امداد کرتے ہیں۔ یوں اُن کی دولت دن دونی رات چوگنی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اور ہم ہر طرح سے رہی سہی کو بھی کھوتے جاتے ہیں۔ زکوٰۃ سے قرضداروں کی مدد کرنا بشرطیکہ وہ مسرف نہوں اس کا بہترین علاج ہے۔ ایک

حرکت قومی تموّل کے بڑھنے کے اسباب پیدا کرتا ہے اور دوسری طرف افراد قوم میں یکسانی کا موجب ہوتا ہے۔ جس سے قوم کے تموّل و خلاکت کا اندازہ کیا جاتا ہے۔

انما الصدقات ..... للغارمین کے مفہوم کو دیکھو کہ کس قدر وسیع ہے اور کس عمدہ طریقہ سے ظاہر کیا گیا ہے۔ حد نہیں بتائی کہ قرضداروں کی کہاں تک مدد کرو اور زکوٰۃ میں سے کتنا حصہ دو۔ یہ تعمیم و اطلاق اسی غرض سے ہے کہ جتنی ضرورت ہو۔ اور جہاں تک مدد کرنا قوم کی طاقت میں ہو۔ اور جہاں تک اُس کے فوائد قوم کی طرف رجوع کرنے والے ہوں۔ زکوٰۃ سے مدد کرو۔

اب ذرا غور سے سوچو کہ غارمین کی اعانت تمدن و فلاح قوم کے لئے کہاں تک ضروری و مفید ہے۔ اور کیونکر قومی طاقت اور اُس کے تمدن کی حفاظت کرتی ہے۔ قرآن تو ہم کو خوشحالی و فراغ البالی کی بہتر سے بہتر تدبیر بتاتا ہے لیکن ہمیں اُس پر عمل کرنے کی توفیق بھی ہو۔

زکوٰۃ کا چھٹا مصرف

"وَفِي سَبِيلِ اللهِ" زکوٰۃ کا چھٹا مصرف ہے۔ دینی کاموں کو جو قوم کی ضروریات اور مصلحت وقت کے مطابق ہوں اور جن سے ملت و اہل ملت کی تقویت ہو۔ اور اس کی عزت و عظمت بڑھے سبیل اللہ اور جہاد کہتے ہیں۔ اور اُن کاموں کو بھی جو اس نقصان و خلل کے دفعیہ کے لئے کئے جائیں جو کسی طرف سے ملت و اہل ملت کو پہنچتا ہو۔ پس مجاہد وہ ہیں جو ایک طرف قوم کی تقویت کے کام کرتے ہوں اور دوسری طرف دفع اعدا پر کمربستہ اور مستعد ہوں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی قوم ایسی نہیں ہو سکتی جس کو اندرونی و بیرونی دشمنوں کا سامنا نہ ہو۔ پس جو لوگ ایسی نازک حالت میں قوم کی عزت رکھنے اور اس کا بول بالا کرنے کے لئے دل و جان سے کوشاں ہوں۔ قوم کا بھی فرض ہے کہ اُن کی مدد کرے۔

جہاد لفظ جہد سے مشتق ہے جسکے معنی محنت، تعب، مشقت اور کسی کام کیلئے سخت تکلیف

برداشت کرنے کے ہیں۔ اسلام کا مقصد اعلیٰ دنیا میں قیام حق و صداقت اور مدافعت باطل و

ضلالت ہے۔ یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ اور ظاہر ہے کہ یہ کام سب سے زیادہ اعداد کا

مستحق ہے۔ اسکے علاوہ باقی تمام ضروریات دینی بھی اسمیں شامل ہو سکتی ہیں۔ مثلاً نہایت صحیح

و خوشخط قرآن کریم اعلیٰ کاغذ پر چھپوائے جائیں۔ قرآن مجید کا ایک مدرسہ ہو جسمیں نابینا بالخصوص

آکر قرآن مجید یاد کریں۔ حدیث کی کتابیں صحیح صحیح چھپوائی جائیں ان کی اشاعت ہو۔ ائمہ

مساجد نیک بہم پہنچائے جائیں۔ مؤذن بہت صالح اور باعمل واعظ ہوں۔ جہاد کی تعریف

یہ ہے کہ:- استفراغ الوسع فی مدافعۃ العدو ظاہراً و باطناً (مفردات امام راغب اصفہانی)

ترجمہ:- دشمن کے حملے کی مدافعت میں اپنی پوری طاقت اور قوت سے کوشش کرنا خواہ دشمن

ظاہری حملہ آور ہو۔ مثلاً اعدائے دین و ملت یا باطنی جیسے نفس و خط شیطان۔

متعدد احادیث میں بھی حکم جہاد کی تشریح کی گئی ہے اور قلب و ضمیر کی اُن تمام کوششوں کو

جو نفس و شیطان کے مقابلہ میں کیجائیں جہاد سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مثلاً فرمایا گیا ہے کہ:-

جاھدوا اھواءکم کما تجاھدون اعداءکم۔ ترجمہ:- اپنے ہوائے نفس کے

مقابلہ میں بھی ویسا ہی جہاد کرو جیسا کہ ظاہری دشمنوں کے مقابلہ میں ہتھیاروں سے جہاد

کرتے ہو اور فی الحقیقت یہی جہاد اکبر ہے۔

ایک دوسری حدیث میں جس کو نسائی اور ابو داؤد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا

ہے زیادہ توضیح فرمائی گئی ہے کہ:-

جاھدوا المشرکین باموالکم وانفسکم والسنتکم ترجمہ:- باطل پرستوں کے

مقابلہ میں اپنی جان، اپنے مال، اور اپنی زبان کے ذریعہ جہاد کرو۔

یعنی غرض جہاد کبھی حرب و قتال کی صورت میں، کبھی اعلاء کلمۃ الحق کیلئے مالی قربانی کی شکل میں اور کبھی امر

بالمعروف اور نہی عن المنکر کی شکل میں انجام پاتا ہے اسی لئے علمائے محققین نے مجاہدین کی قسمیں

[illegible] اثرات کا تعین جانتے ہیں اور دوسرے گروہ کو جو قوم کو اندرونی کمزوریوں اور لغزشوں سے روک کر ہر وقت اسکی اصلاح اور ترقی کی تگ و دو میں لگے رہتے ہیں پہلے فرقہ کو سپاہ کہنا چاہیئے اور دوسرے فرقہ کو اہل علم۔ جو قومی و ملی ہر قسم کے امور کا پورا علم رکھتے ہوں تاکہ ملی اور قومی مصالح سے واقف ہو کر ان کی تکمیل کی راہیں سمجھائیں اور اپنے اثر سے ان کی تکمیل پر بھی قوم کو آمادہ کر سکیں خود آگے بڑھیں اور قوم کو ساتھ لیں اور یہ ظاہر بات ہے کہ جو قوم ان دو ارکان اولیہ کو مہمل چھوڑ دے اُسکی ہستی نیستی ہے اور وہ دنیا میں ہرگز کسی عزت و حرمت کی مستحق نہیں ہو سکتی اور جب اسکی ہستی ہی معرض زوال و نیستی میں ہے تو پھر اُسکا تمدن ہی کیا ہو سکتا ہے؟ پس تعلیم جہاد کی بنیاد ایسے حکیمانہ انداز اور قومی فوائد پر اسلام نے رکھی ہے کہ جس سے بڑھکر بہتر اور عمدہ تجویز آجتک دنیا کو سوجھی ہے اور نہ آئندہ سوجھنے کی امید ہے۔ وہ قومیں جو اسلامی جہاد پر معترض ہوتی ہیں اُن کا طرز عمل خود اس بات کے لئے کافی شہادت ہے کہ جہاد انسانی فطرت میں داخل ہے۔ کوئی قوم جب تک جہاد کی حقیقت کو نہیں سمجھتی دنیا میں زندہ نہیں رہ سکتی اور نہ زبردست قومیں اور جماعتیں اُس کو زندہ رہنے کا موقع دے سکتی ہیں۔

تاریخ بتاتی ہے کہ جب کبھی دو غیر مساوی قوموں میں جنگ ہوئی ہے تو تمام قوانین دفعتہً ٹوٹ گئے ہیں اور قوی قوم نے اپنے حریف کو زک دینے کے لئے جو وسائل مناسب معلوم ہوئے ہیں اختیار کئے ہیں۔ آجکل موجودہ عالمگیر جنگ نے ثابت کر دیا ہے کہ بقول حکیم (سولن) قانون تار عنکبوت ہے جو اپنے سے کمزور کو دبا لیتا ہے مگر اپنے سے قوی سے ٹوٹ جاتا ہے۔ پس اسلام سکھاتا ہے لا حکم الا القوۃ اسلام امر بالمعروف و نہی عن المنکر کیلئے کہا ہے اور امر بالمعروف اور جہاد دونوں ایک ہی حکم کے دو نام ہیں۔ وہ سکھاتا ہے کہ ہر ممکن ذریعے قوم کو مضبوط بنانے کی کوشش کرو خواہ وہ ذریعہ سپاہ ہو یا مصالح قوم و ملت۔ چنانچہ دیکھو کہ اس تمدن اور امن و امان کے عہد میں بھی سپاہ کو مدار حیات قومی اور پناہ قوم و سلطنت سمجھا جاتا ہے۔ جس قوم اور سلطنت کی فوج نہیں وہ دنیا میں اسکی کچھ وقعت ہے اور نہ اسکا کچھ تمدن ہے۔ ہر متمدن سلطنت کروڑہا روپیہ فوجوں پر صرف کرتی ہے اور خود نا گہانی مقابلہ کیلئے ہر وقت تیار رہتی ہے۔ اسی طرح جو اہل فن طب و حالات و ترقی علوم و فنون و صنائع سے قوم کی عزت بڑھاتے اور اسکی ہستی کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں قوم اور سلطنت اُنکی ہر وقت حوصلہ افزائی کرتی رہتی ہے۔ اور ان کو اپنی ترقی اور کمال کا ذریعہ سمجھتی ہے چونکہ [illegible]

تا سفر میں تکلیف نہ ہو اور آرام و آسائش حاصل ہو ۔ وابن السبیل کے حکم میں داخل ہے۔

جبکہ ہر ایک مسافر کی ضروریات و تکالیف کا رفع کرنا اور اُسکے آرام و آسایش کے وسائل بہم پہنچانا داخل فرض ہے تو مسلمانوں کو سوچنا چاہئے کہ جو مسافر کسی نیک مقصد کیلئے گھر سے نکلتے اور قوم و ملت کو نفع پہنچانے کے لئے صعوبات سفر اور تکالیف غربت برداشت کرنے کے لئے آمادہ ہوتے ہیں مسلمانوں پر ان کی امداد کرنا کس قدر ضروری ہے۔ خصوصاً اُن طالبعلموں کی جو مفید علوم و فنون کی تحصیل و تکمیل کی غرض سے غیر ممالک کو جانا چاہتے ہیں لیکن کافی خرچ پاس نہ ہونے کی وجہ سے معذور ہیں۔ افسوس کہ مسلمانوں نے زکوٰۃ کے اس مصرف کو بھی نظر انداز کر رکھا ہے اور اسکی بجائے ایسے مصارف میں خیرات و صدقات کا روپیہ صرف کیا جاتا ہے جن سے قوم و ملت کو صریحاً نقصان پہنچ رہا ہے۔ یورپ میں جاکر دیکھئے کہ ہزاروں طالب علموں کی علمی اولوالعزمیاں قوم کی برمحل فیاضی کی وجہ سے بآسانی پوری ہو جاتی ہیں اور ہندوستان کے مسلمانوں کو اتنی بھی توفیق نہیں ہوتی کہ ہر سال ایک ہی طالب علم کو جاپان، امریکہ، یورپ میں سائنٹفک یا صنعتی تعلیم حاصل کرنے کیلئے وظیفہ دیکر بھیجا کریں تاکہ قوم میں کار آمد افراد کی تعداد بڑھے اور نونہالان قوم کے تعلیمی ولولے پورے ہوں۔ اگر مسلمانوں کو زکوٰۃ کے اس ساتویں مصرف ہی کی ضرورت کا احساس ہوتا تو اب تک مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کے درمیان ریل کب کی تیار ہوگئی ہوتی اور زائرین حرمین شریفین کو اس مقدس سفر میں جو تکلیفیں اور دقتیں عموماً پیش آتی ہیں اُن کا ہمیشہ کیلئے سدّباب ہو جاتا لیکن شامت اعمال تو یہ ہے کہ ہم لوگوں کی نظریں صرف سطحی امور سے متاثر ہونے کی عادی ہوگئی ہیں اور اُن منافع متنا پر متعلق غور نہیں کرتیں جو ہر ظاہری منظر کی تہ میں پوشیدہ اور مضمر ہوتے ہیں۔

یہ ایک قومی گناہ ہے کہ ہماری خیرات بیجا طور پر صرف ہوتی ہے اور گداگروں اور بھیک منگوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے۔ اگر یہ خیرات منظم شکل میں قومی انسٹی ٹیوشنوں میں جائے۔ اور ہمارے یتیم اور غریب افراد قوم کو مفید رکن سوسائٹی بنانے میں صرف ہو تو "ہم خرما و ہم ثواب" ہے ورنہ جو کچھ اس کا انجام ہو رہا ہے وہ مسلمان اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

قرآن مجید کے دیوانی قوانین

میں نے انسداد ارتداد اور تبلیغ اسلام کے لیئے بہت سے رسائل تیار کر کے شائع کیئے ہیں
اسی سلسلے میں قرآن شریف کے مختلف مضامین بھی طرح طرح سے شائع کیئے جا رہے ہیں،
اب مجھ کو ضروری معلوم ہوا کہ قانون پیشہ طبقہ میں مضامین قرآن مجید کی
تبلیغ ہو، اور ہر مسلمان وغیر مسلمان وکیل احکام قرآن سے اپنے قانونی پیشہ کے وقت
فائدہ حاصل کر سکے۔ اس واسطے میں نے ایک رسالہ "قرآن مجید کے دیوانی قوانین" تیار
کرایا ہے، جس میں وہ تمام آیات مع ترجمہ و تشریح کے جمع کی گئی ہیں جن سے مالی اور
دیوانی معاملات میں قانونی امداد مل سکتی ہے۔

قرآن مجید کے فوجداری قوانین

اسی طرح دوسرا رسالہ " قرآن مجید کے فوجداری قوانین کے نام سے تیار کرایا
ہے، جو نہایت مفید ہے۔

یہ دونوں رسالے قابل دید ہیں، اور بہت مفید ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ہر ضلع
کے وکلائے قانون تک ایک ایک رسالہ قیمتاً یا بلا قیمت پہنچ جائے۔ اس واسطے
میں ہر مسلمان ناظر اعلان ہذا سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ ان رسائل کی اشاعت
میں میری مدد کریں۔ اور ثواب دارین کمائیں۔

۴۔ رمضان المبارک ۱۳۴۳ھ

حسن نظامی

تشریح الکافر

تحریک داعیانِ اسلام کی جانب سے جہاں میں نے اور بہت سے رسائل شائع کیئے ہیں، وہیں ایک رسالہ "تشریح الکافر" بھی ہے۔

تمام دُنیا کے غیر مسلم لوگ اعتراض کرتے ہیں علی الخصوص آجکل مہاتما گاندھی نے بھی اسپر کچھ لکھا تھا کہ اسلام میں غیر مسلم کے لیئے لفظ "کافر" تحقیر و توہین کے لیئے استعمال کیا جاتا ہے۔

اس واسطے ضرورت تھی کہ "کافر" لفظ کی شرعی نقطۂ نظر سے پوری پوری تشریح لکھدی جائے تاکہ ہر مسلمان اپنے معترض کو جواب دے سکے، اور کافر لفظ کی حقیقت بیان کر سکے۔

آیات قرآن مجید اور احادیث نبویؐ میں جہاں جہاں کافر اور کفر کا لفظ آیا ہے اُن سب کو جمع کر کے محاکمہ لکھا گیا ہے۔ پڑھنے سے ہی معلوم ہوگا کہ یہ رسالہ کیسا مفید ہے۔ آپ بھی اس کو منگا کر ملاحظہ کیجیئے۔

حسن نظامیؔ

مذکورۂ بالا تمام رسائل اور دیگر رسائل تبلیغ کے ملنے کا

پتہ

دفتر حلقۂ مشائخ بک ڈپو۔ دہلی